

ظفر خضر کمپیوٹر نیٹ ورکنگ (Computer Networking) کی سترہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے کچھ کتابیں دوسری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے علاوہ نیویارک یونیورسٹی میں بھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ان کی کمپنی PC AGE 1999 میں امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والی 500 کمپنیوں میں سے ایک تھی (Inc. 500 Winner)۔

اس کتاب میں ظفر خضر پاکستان کی ترقی کیلئے ایک Road Map دینے کے علاوہ نوجوانوں کو سکھا رہے ہیں کہ وہ زندگی میں کیسے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ظفر خضر کی گہری سوچ وفکر اور تجاویز نوجوانوں کی زندگی اور پاکستان میں انقلابی تبدیلی لا سکتی ہیں۔

انقلاب 2000

کیا پاکستانی کامیابی کی قیمت ادا کرنے کیلئے تیار ہیں



ظفر خضر

انقلاب 2000

کیا پاکستانی کامیابی کی قیمت ادا
کرنے کیلئے تیار ہیں

ظفر خضر

نام کتاب = انقلاب 2000
کیا پاکستانی کامیابی کی قیمت
ادا کرنے کیلئے تیار ہیں؟
مصنف = ظفر خضر
اشاعت = اگست 2000ء

Address:
20 Audrey Place
Fairfield, NJ 07004, USA
Email: Khizer@kfi.org

ISBN: 1-57739-057-1

نوجوان نسل کے نام
جس پر پاکستان کا مستقبل
انحصار کرتا ہے

ترتیب

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم

پیش لفظ

اس کتاب کا صرف ایک ہی مقصد ہے- پاکستانی قوم، خاص طور پر نوجوانوں، کو اس بات کا شعور دلانا کہ کونسا راستہ کامیابی کی طرف اور کونسا تباہی کی طرف لے جاتا ہے- کامیابی آسانی سے حاصل نہیں کی جاسکتی- اس کے لئے آپ کو اس کی پوری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے- مستقل سیکھنا پڑتا ہے اور سخت محنت کرنی پڑتی ہے- قوموں کی ترقی کیلئے کئی نسلوں کو قربانی دینی پڑتی ہے- لیکن اگر آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو سیکھنے اور محنت کرنے، یا قربانی دینے کا بھی کوئی فائدہ نہیں-

انسانوں یا قوموں کے بہت سے ایسے فیصلے ہوتے ہیں جن کے غلط یا صحیح ثابت ہونے کا فیصلہ صرف وقت کرسکتا ہے- اور آنے والی نسلوں کیلئے یہ تاریخ بن جاتی ہے- ہر نسل کے پاس پھر یہ چوائس (Choice) ہے کہ وہ اس تاریخ سے کیا سیکھتی ہے اور اپنی تاریخ کس طرح لکھنا چاہتی ہے-

اس کتاب کی تیاری کیلئے نہ صرف تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے بلکہ کامیابی حاصل کرنے کے جدید ترین طریقوں کو پوری طرح آزما کر شامل کیا گیا ہے-

مجھے پورا یقین ہے کہ یہ کتاب نوجوانوں، پاکستان یا کسی بھی ترقی پذیر ملک کی کامیابی یا ترقی کیلئے بہت مثبت ثابت ہوگی-

حصہ اول

انفرادی طور پر کامیابی کیسے حاصل کی جائے

کامیابی وہ سکھائے جس نے خود کامیابی حاصل کی ہو

پرانے زمانے میں لوگ کسی حکیم سے اس وقت تک علاج نہیں کرواتے تھے جب تک کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر یہ یقین نہ آ جائے کہ وہ خود ان تمام بیماریوں کا مریض رہا ہے جن کا وہ علاج کرتا ہے۔

یہی حال شاید آج بھی ہے۔ جب میں نے اپنے ایک دوست کے دوست کو جو مجھے نہیں جانتا تھا یہ بتایا کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس میں نوجوانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کیسے ترقی کر سکتے ہیں تو اس نے فوراً کہا کہ کامیابی وہ سکھائے جس نے خود کامیابی حاصل کی ہو۔ لہٰذا اس کتاب کا آغاز میں اپنے مختصر تعارف سے کرتا ہوں۔

میرا بچپن دو کمروں کے ایک اپارٹمنٹ میں کراچی میں گزرا ہے جہاں میں نے اپنے چھ بہن بھائیوں کے ساتھ پرورش پائی۔ بچپن کے زمانے کی کچھ باتوں میں سے یہ یاد ہے کہ ہم تمام بہن بھائیوں کو سال میں صرف ایک مرتبہ نیا کپڑوں کا جوڑا ملتا تھا اور باوجود اس کے کہ میں ہر روز دودھ کا ایک گلاس پینا چاہتا تھا، میری باری ہفتے میں صرف ایک مرتبہ آتی تھی۔ کھانے کے دوران دن میں صرف ایک گوشت کی بوٹی ہر ایک کو مل سکتی تھی۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس وقت پاکستان میں کروڑوں بچوں کو یہ بھی میسر نہیں تھا اور نہ آج ہے۔

میں نے اپنی ابتدائی تعلیم پاکستان میں گورنمنٹ کے اردو میڈیم اسکولوں میں حاصل کی۔ ڈی جے سائنس کالج سے انٹر اور بی ایس سی کیا، پھر کراچی یونیورسٹی سے 1983 میں اپلائیڈ فزکس میں ایم ایس سی کیا۔

ستمبر 1985 میں امریکہ ایک اسٹوڈینٹ کی حیثیت سے آیا اور New Jersey Institute of Technology (NJIT) سے 1988 میں کمپیوٹر سائنس میں ایم ایس کیا۔

1988 سے 1992 تک ایک کمپنی میں کمپیوٹر پروگرامر

(Systems Analyst) کے طور پر جاب کی۔

1991 میں 4 ہزار ڈالرز سے اپنا بزنس شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ کمپیوٹر سائنس پر کتابیں لکھنا شروع کیں۔ تقریباً 5 سال کے عرصے میں روزانہ 16 گھنٹے کام کرتے ہوئے 17 کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کتابوں میں سے کچھ دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے علاوہ نیویارک یونیورسٹی میں بھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔

اس وقت (یعنی جنوری 2000 میں) میری کمپنی PC AGE میں تقریباً نوے ملازمین (Employees) کام کر رہے ہیں۔ 1999 میں میری کمپنی PC AGE امریکہ کی سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والی 500 پرائیوٹ کمپنیوں (500 Fastest Growing Private Companies) کی لسٹ میں شامل تھی۔ امریکہ میں تقریباً گیارہ ملین پرائیویٹ کمپنیاں ہیں۔ اس لیے گیارہ ملین میں سے پانچ سو سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والی کمپنیوں کی لسٹ (Inc. 500) میں شامل ہونا کسی بھی بزنس کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ Inc. 500 لسٹ میں صرف ایک کمپنی کمپیوٹر کیریئر (career) ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کے طور پر شامل ہوسکی ہے۔ اس طرح 1999 میں PC AGE امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والا (#1) پرائیوٹ کمپیوٹر کیریئر انسٹیٹیوٹ تھا۔

یہ تو تھا میرا مختصر تعارف..... اب سوال یہ ہے کہ میں نے یہ کتاب کیوں لکھی ہے۔

میں 1988 سے اس جستجو میں ہوں کہ آخر کیوں کچھ لوگ زندگی میں بہت کامیاب ہوتے ہیں اور کیوں زیادہ تر لوگ ایک عام سی یا ناکام زندگی گزارتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ کچھ قومیں ترقی یافتہ ہیں اور کچھ قومیں مستقل تباہی کی طرف جا رہی ہیں۔ یہ سوال میرے لیے بہت اہم تھے کیوں کہ میں خود اوسط خاندانوں (low-middle-class families) کی لسٹ سے نکل کر دنیا کے کامیاب ترین لوگوں کی لسٹ میں شامل ہونا چاہتا تھا اور چونکہ میرا ملک پاکستان ان ملکوں کی لسٹ میں شامل ہے جو تیزی کے ساتھ تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

پچھلے 12 سال غور وفکر کرنے اور تقریباً ایک سو کتابیں پڑھنے کے بعد میں

نے یہ سیکھا ہے کہ کس طرح انفرادی طور پر ترقی کی جاسکتی ہے اور کس طرح ایک قوم ترقی کرتی ہے۔

میں اس کتاب کے ذریعہ لوگوں کو یہ ہی سکھانے کی کوشش کروں گا۔

انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے؟

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق دماغ کا ہے۔ یعنی انسان وہ مخلوق ہے جو دوسرے جانداروں سے بہت زیادہ ذہین ہے۔ جہاں یہ خیال یا نتیجہ کافی حد تک صحیح ہے، وہاں یہ شواہد بھی موجود ہیں کہ دوسرے جانور جن میں ڈولفن، وہیل مچھلی اور بن مانس شامل ہیں، کافی حد تک ذہین ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سائنسدانوں نے جانوروں کو ٹریننگ دے کر نہ صرف ان کو مختلف کمالات سکھا دیئے ہیں بلکہ ان کو سادہ حساب کتاب یعنی جمع اور تفریق کرنا تک سکھا دیا ہے- اس طرح اس بن مانس کا دماغ یا ذہانت جس کو جمع یا تفریق کرنا آتا ہے، عملی طور پر اس انسان سے بہتر ہے جس نے کبھی اپنے دماغ کو استعمال نہیں کیا۔

آپ کو یہ سن کر بھی حیرت ہوگی کہ وہیل مچھلیاں نہ صرف یہ کہ 500 میل کے فاصلے سے ایک دوسرے سے گفتگو کر سکتی ہیں بلکہ ان کا ایک گروہ نہ صرف مل کر گانا گا سکتا ہے بلکہ وہ بعض اوقات گانے کو درمیان میں روک کر سیر کیلئے نکل جاتا ہے اور پھر 6ماہ کے بعد اسی جگہ پر واپس آ کر اسی مقام سے پھر گانا شروع کر دیتا ہے-

ظاہر ہے کہ اگر وہیل مچھلیاں یہ کر سکتی ہیں تو وہ کم ازکم عام انسانوں کے برابر ہی ذہین ہوتی ہیں۔

تو پھر ہم اپنے سوال کی طرف واپس آتے ہیں کہ آخر ایک انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔

Howard H. Stevenson نے اپنی کتاب Do Lunch or Be Lunch میں اس سوال کا جواب یوں دیا ہے:

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان اپنے مستقبل کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ حیوان یہ صلاحیت نہیں رکھتا۔

مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ جن حالات میں حیوان کروڑوں سالوں سے رہتے آئے ہیں انہوں نے کبھی ان حالات کو نہیں بدلا۔ وہ اپنے حالات کو بدلنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ وہ اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں یا پھر دوسرے علاقوں میں ہجرت کر جاتے ہیں یا پھر مر جاتے ہیں۔

تو ہمیں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم میں بحیثیت ایک انسان یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہم اپنے حالات کو چاہے وہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، بدل سکتے ہیں- ہمارا مستقبل ہمارے اپنے اوپر انحصار کرتا ہے-

وہ کون سی ایک چیز ہے جس سے دانشمندی سیکھی جا سکتی ہے؟

کسی زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور پوری دنیا میں تلاش کریں کہ وہ کون سی ایسی چیز ہے جس سے لوگ دانش مندی (Wisdom) سیکھ سکتے ہیں۔

بادشاہ کے آدمی پوری دنیا میں پھیل گئے اور کئی سال کی تلاش کے بعد انہوں نے کچھ ہزار ایسی کتابیں جمع کیں جن سے لوگ دانش مندی سیکھ سکتے تھے۔ بادشاہ نے جب ان کتابوں کے ڈھیر کو دیکھا تو کہا کہ ان کتابوں کو پڑھنے کیلئے تو ایک عمر چاہئے مجھے کوئی اور آسان سی چیز بتاؤ۔ لوگوں نے ان کتابوں کے ڈھیر سے 100 ایسی کتابیں تلاش کی جو ان کے خیال میں دانش مندی سیکھنے کیلئے ضروری تھیں۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں یہ بھی بہت ہیں۔ لوگوں نے پھر 10 کتابیں منتخب کیں۔ بادشاہ مطمئن نہیں ہوا۔ انھوں نے پھر ایک کتاب بتائی۔ بادشاہ نے کہا کہ اور کم کرو۔ انھوں نے ایک باب (Chapter) نکالا۔ ''اور کم کرو'' ایک صفحہ، ''اور کم کرو''، ایک پیراگراف۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں مجھے اس سے بھی کم چاہیے۔ آخر کار بادشاہ کے دانش مند لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک جملہ منتخب کیا اور بادشاہ سے کہا کہ اگر لوگ اس جملے کو سمجھ جائیں تو وہ دانش مندی سیکھ سکتے ہیں۔ وہ جملہ یہ ہے

"There is no free lunch"

میں اسکا ترجمہ اس طرح کروں گا کہ

دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی

یہ واقعہ میں نے کئی سال پہلے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ اور میں مستقل اس کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ مگر واقعی اگر لوگ اس ایک جملے کو سمجھ لیں تو وہ دانش مند ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی چیز مفت نہیں ملتی۔ کوئی بھی چیز حاصل کرنے کیلئے ہمیں اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر ہم قیمت ادا کئے بغیر کوئی بھی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم صرف اپنے آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔

آج کی دنیا میں ہر چیز سیل (Sale) پر ہے۔ کوئی غلام یا نوکر پیدا نہیں ہوا اور سب کو برابر کے مواقع موجود ہیں۔ کم از کم امریکہ میں۔ اور امریکہ میں بھی اس لیے کہ لوگوں نے اس کی قیمت ادا کی ہے۔ اپنے آپ کو تعلیم یافتہ بنایا ہے اور اپنے حقوق کے لیے جنگ (fight) کی ہے۔ اگر آپ کے ملک میں مواقع نہیں ہیں تو غور کریں کہ آپ نے یا آپ کے والدین نے ان حالات کو بدلنے کیلئے کیا کیا ہے؟ بعض اوقات ایک نسل کو آنے والی نسلوں کیلئے قربانی دینی پڑتی ہے۔

کروڑوں مرتبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے یا جسکی قیمت وہ ادا کرنے کو تیار ہے۔

There is no free lunch

دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی

لامحدود سرمایہ جو ہر انسان کے پاس ہے

جب بھی کوئی شخص کوئی بزنس کرنا چاہتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے پاس کتنا سرمایہ ہے۔ یا کیا صلاحیت یا خوبی ہے جس کو استعمال کر کے وہ ترقی کر سکتا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص دنیا میں ہر جگہ اتنے سرمائے کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ اگر وہ اسکا صرف 10 فیصد بھی استعمال کرنا سیکھ جائے تو اسکا شمار دنیا کے کامیاب ترین لوگوں میں ہوسکتا ہے۔ وہ سرمایہ کیا ہے اور ہم اسے کیسے استعمال کر سکتے ہیں - آیئے دیکھتے ہیں ۔

انسانی دماغ! اگر کوئی ایسا کمپیوٹر بنانے کی کوشش کی جائے جو دماغ کی طرح کام کرے تو اسکے لیے تقریباً 100 ملین ڈالرز لگیں گے۔ کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کے دماغ کی قیمت (value) 100 ملین سے زیادہ ہے؟

آیئے دماغ کے بارے میں اور سیکھتے ہیں۔

انسانی دماغ اس کائنات میں پائی جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ پیچیدہ (complicated) چیز ہے۔ (جب میں نے یہ بات اپنی ایک کلاس میں بتائی تو ایک اسٹوڈینٹ نے کہا کہ دنیا میں ایک چیز ایسی ہے جو انسانی دماغ سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ وہ چیز میری بیوی کا دماغ ہے- میں اسے نہیں سمجھ سکتا-

جو مرد حضرات اس بات پر ہنس رہے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کتاب میں " کیا عورتیں مردوں سے بہتر ہیں؟" ضرور پڑھ لیں-)

انسانی دماغ میں ہر منٹ میں تقریباً ایک لاکھ سے لے کر دس لاکھ مختلف کیمیائی عمل (chemical reactions) ہو رہے ہوتے ہیں۔ آپ کے دماغ میں کم از کم دس کھرب (1000 Billion) دماغی خلیات (nerve or Neurons cells) ہیں۔ اور ہر nerve cell ایک لاکھ دوسرے nerve cells سے مختلف طریقے سے عمل (interact) کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ کا دماغ اس قابل ہے کہ وہ تقریباً 10^{800} مختلف خیالات پیدا کر سکتا ہے۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں ہو گا کہ یہ کتنا بڑا

نمبر ہے۔

ایٹم اس کائنات کے سب سے چھوٹے ذرات (Particles) میں سے ایک ہے۔ اور جو سب سے بڑی چیز ہم جانتے ہیں وہ خود کائنات ہے۔ آپکی صرف ایک انگلی میں کروڑوں ایٹم ہیں۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس پوری کائنات میں تقریباً 10^{100} ایٹم ہیں۔ اس طرح دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات کی تعداد اس پوری کائنات میں موجود تمام ایٹموں سے بھی بہت زیادہ ہے۔ آپ اگر دماغ کی صلاحیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو صرف یہ دیکھئے کہ ایک انسانی بچہ کس طرح انتہائی کم عرصے میں ایک انسانی زبان سیکھ لیتا ہے۔ تقریباً تمام بچے تین سال کی عمر سے پہلے ایک زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی آپ اندازہ لگائیے کہ آپ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اور آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون سی جگہ ہے، آپ کے آس پاس کیا چیزیں ہیں اور یہ جو آوازیں آ رہی ہیں ان کا کیا مطلب ہے۔ تین سال کے اندر اندر آپ اپنے آس پاس کی چیزوں کو پہچاننے لگتے ہیں۔ آپ کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ ''میں آفس گاڑی میں جا رہا ہوں اور شام کو واپس آؤں گا'' تو اس جملے میں 13 الفاظ ہیں اور ان کا مطلب کیا ہے۔ آپ نہ صرف ایک زبان (language) سمجھنے لگتے ہیں بلکہ بولنا بھی سیکھ جاتے ہیں۔ 3 سال کی عمر سے پہلے پہلے۔ ذرا سوچئے اگر تین سال کی عمر تک آپ یہ کر سکتے ہیں تو بعد میں کیا نہیں کر سکتے۔

اگر آج بھی کوئی مجھے کمپیوٹر، ٹی وی (TV)، ریڈیو (radio) ، یا ہوائی جہاز کے بارے میں بتائے اور اگر میں نے ان چیزوں کو نہ دیکھا ہو اور ان کے بارے میں پہلے نہ سنا ہو تو میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ چیزیں وجود میں آ سکتی ہیں۔ کوئی واقعہ مجھ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہو رہا ہو اور میں اس کو دیکھ سکتا ہوں۔ میں ہوا میں اڑ کر ہزاروں میلوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کر سکتا ہوں۔ میں ایک پوری لائبریری ایک کمپیوٹر ڈسک (disk) میں اسٹور (store) کر سکتا ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ دماغ آج بھی حیران ہوتا ہے۔ اور اسے یقین نہیں آتا۔ مگر یہ تمام چیزیں ہمارے سامنے ہیں کچھ لوگوں نے اپنے دماغ کو استعمال کر کے ان ناممکن چیزوں کو ممکن بنا دیا ہے۔

میں آپ کو ایک اور بات بتاؤں؟ جیسے جیسے انسان بڑا ہوتا جاتا ہے اپنے دماغ

کوکم سے کم استعمال کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ بھی پوری زندگی میں سیکھتا ہے اسکا 70%، 6 سال کی عمر تک سیکھ جاتا ہے۔ یعنی کہ 6سال کی عمر سے لے کر تقریباً 70سال کی عمر تک ہم صرف 30% سیکھتے ہیں۔ یہ سمجھئے کہ اگر ایک انسان پوری زندگی میں100 صفحوں کی ایک کتاب پڑھ سکتا ہے تو وہ 6 سال کی عمر تک 70 صفحے پڑھ لیتا ہے اور اس کے بعد کی ساری عمر 30 صفحے پڑھنے میں لگا دیتا ہے۔ اس طرح وہ تقریباً 12صفحے ہر سال پڑھتا یا سیکھتا ہے اور 6 سال کی عمر کے بعد وہ صرف آدھا صفحہ ہر سال پڑھتا یا سیکھتا ہے۔

اگر آپ کو اس بات کا یقین نہیں آتا تو سوچئے کہ پچھلے 5سال میں کتنی نئ چیزیں آپ نے سیکھی ہیں۔ اپنے ابو یا امی سے پوچھئے کہ پچھلے 20 سالوں میں کتنی نئ چیزیں انہوں نے سیکھی ہیں۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی انسان نے جس میں عظیم ترین سائنسدان بھی شامل ہیں، اپنے دماغ کی صلاحیت کا 10% سے زیادہ استعمال نہیں کیا۔ جبکہ عام لوگ اپنے دماغ کی صلاحیت کا 1% بھی استعمال نہیں کرتے۔

ہمیں دماغ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم دماغ کی اس عظیم طاقت کو کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ہم اگلے باب میں سیکھیں گے۔

گولز (goals) کا کرشمہ

پچھلے باب میں ہم نے یہ سیکھا تھا کہ انسانی دماغ دنیا کی پیچیدہ ترین چیز ہے اور عام لوگ اپنے دماغ کا 1% بھی استعمال نہیں کرتے۔ اس باب میں ہم یہ سیکھیں گے کہ ہم کس طرح اپنے دماغ کی اس بے انتہا صلاحیت کو استعمال کر سکتے ہیں۔

انسانی دماغ کی صلاحیت کو استعمال کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ فوکس (Focus) کرنا سیکھیں۔ یعنی اپنی تمام دماغی توانائی صرف ایک مسئلے کو حل کرنے میں لگائیں۔ فوکس (Focus) کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ گولز سیٹ کریں۔

مثال کے طور پر اگر آپکی آمدنی 30ہزار ڈالرز سالانہ ہے تو آپ یہ گول سیٹ کر سکتے ہیں کہ میں دو سال کے اندر اندر اپنی آمدنی 50 ہزار ڈالرز کر دوں گا۔ اگر آپ واقعی اپنے ارادے میں پکے ہیں اور اس گول کو پورا کرنے کیلئے محنت کرنے پر تیار ہیں تو یقیناً آپ اپنی آمدنی دو سال میں 50 ہزار ڈالرز کر سکتے ہیں۔ اب آپ کو بیٹھ کر یہ سوچنا ہے کہ وہ کون کون سے طریقے ہیں جن سے آپ اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو مزید ٹریننگ (Training) لینی پڑے یا اپنا پروفیشن بدلنا پڑے۔ آپ ان لوگوں سے معلومات حاصل کریں جو 50 ہزار ڈالرز سالانہ کما رہے ہیں۔ آپ مختلف پروفیشنز (Professions) کے متعلق معلومات حاصل کریں کہ ان میں پیسہ کمانے کا کتنا پوٹینشل (potential) ہے۔ اگر آپکا کوئی بزنس ہے تو آپ اپنا سارا وقت یہ سوچنے میں لگائیے کہ آپ کسی طرح اپنے بزنس کی سیلز (Sales) بڑھا سکتے ہیں۔ اگر آپ موجودہ برانچ (Location) میں مزید بزنس نہیں بڑھا سکتے تو پھر ایک اور برانچ کھولنے کے بارے میں سوچیئے۔

آپ کو صبح شام اپنے گول کو پڑھنا ہے اور ہر وقت یہ سوچنا ہے کہ آپ کس طرح اپنے گول کو حاصل کر سکتے ہیں۔ گولز سیٹ کرنے کی ترکیب کتنی پُر اثر (effective) ہے، اسکو واضح کرنے کیلئے میں آپ کو ایک ریسرچ پروجیکٹ کے بارے میں بتاتا ہوں۔

1953میں Yale یونیورسٹی نے گریجویٹ ہونے والے اسٹوڈینٹس کا

سروے کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ صرف 3% اسٹوڈینٹس نے وہ تمام مراحل (steps) لکھے ہوئے ہیں جو گول سیٹ کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ وہ مراحل (steps) یہ ہیں:

1- انہیں پتہ ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور انہوں نے اسکو لکھا ہوا ہے۔
2- انہوں نے یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ کیوں ان گولز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔
3- انہوں نے ان تمام رکاوٹوں کو لکھا ہوا ہے جو ان کو دور کرنی ہیں اپنے گولز حاصل کرنے کیلئے۔
4- انہوں نے ان لوگوں کی لسٹ بنائی ہوئی ہے جو ان کو اپنے گولز حاصل کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔
5- انہیں معلوم ہے کہ انہوں نے کیا سیکھنا ہے اپنے گولز حاصل کرنے کیلئے۔
6- انہوں نے اپنے گولز کو حاصل کرنے کیلئے ایک plan of action بنایا ہوا ہے۔ یعنی کہ ان کو کیا اقدامات کرنے ہیں۔
7- اور انہیں یہ معلوم ہے کہ کس تاریخ تک وہ اپنے گولز حاصل کر لیں گے۔

اسکے علاوہ 10% لوگوں نے سات میں سے پانچ مراحل (steps) لکھے ہوئے تھے۔ باقی 87% لوگوں کو اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں تھا کہ انہیں ڈاکٹر، وکیل، یا انجینیئر وغیرہ بننا ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ تقریباً ہر شخص کے کوئی نہ کوئی گولز ہوتے ہیں۔ مگر بہتر نتائج حاصل کرنے کیلئے آپ کو تمام مراحل (steps) پورے کرنا ضروری ہے۔

1973 میں Yale یونیورسٹی نے دوبارہ ان اسٹوڈینٹس کا سروے کیا تو ان کو معلوم چلا کہ ان 3% لوگوں نے اپنے کیریئر (Career) میں اور مالی طور پر جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ 97% لوگوں سے زیادہ ہیں۔

آیئے میں آپ کو اپنی مثال دیتا ہوں کہ کس طرح میں نے امریکہ آ کر گولز سیٹ کئے اور ان کو حاصل کیا ہے۔

1988 میں میں نے MS کمپیوٹر سائنس میں مکمل کر لیا تھا اور ایک پروگرامر کے طور پر جاب شروع کر دی تھی ۔ 1990 تک میری آمدنی تقریباً 40,000 ڈالرز

تھی۔ میرے ذہن میں یہ سمایا ہوا تھا کہ مجھے اپنی آمدنی بڑھانی ہے۔ اور میں اپنی آمدنی میں کوئی حد یا limit نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں، میں نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا کہ میں اپنی زندگی میں کوئی حد (limitation) برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے مکمل آزادی چاہیے ہر وہ کام کرنے کیلئے جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اگر میں دنیا کی بہترین گاڑی مرسیڈیز یا BMW چلانا چاہتا ہوں تو میں اس قابل ہونا چاہتا ہوں۔ میں جب پاکستان جانا چاہوں جا سکوں یا جب اپنے والدین کو بلانا چاہوں بلا سکوں۔ میں اس قابل ہونا چاہتا ہوں کہ میرے بچے دنیا کی محفوظ ترین گاڑی میں سفر کریں اور بہترین اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں۔

میں کبھی یہ سننا نہیں چاہتا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں یا میں یہ afford نہیں کر سکتا۔

یہ میری خواہش تھی، ایک شدید خواہش (Burning desire) ۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں اپنی موجودہ جاب میں 45 ہزار ڈالرز سے زیادہ نہیں کما سکتا۔ چنانچہ میں نے اپنا بزنس کھولنے کا فیصلہ کیا۔ میرے پاس صرف 4 ہزار ڈالرز بینک میں تھے کیونکہ میں پاکستان میں بھی اپنی فیملی کو سپورٹ (Support) کرتا تھا۔

میں نے دو سو Square feet جگہ کرایہ پر لی اور کمپیوٹر ٹریننگ اور کنسلٹنگ(Consulting) کا بزنس شروع کر دیا۔ یہ واضح نہیں تھا کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ پہلے 6 مہینے میں ٹوٹل آمدنی تقریباً 100 ڈالرز تھی۔ اس طرح جگہ کا کرایہ بھی جیب سے دینا پڑ رہا تھا۔ مگر مستقل سوچنے اور مختلف ترکیبیں آزمانے کے بعد آخر کار کامیابی ہو گئی۔ 1992 میں میری آمدنی 41,000 ڈالرز تھی، 1993 میں 100,000 ڈالرز سے زیادہ تھی۔ جب میرا اکاؤنٹنٹ (accountant) اس بات پر حیران ہوا تو میں نے اس کو اپنی ڈائری دکھائی۔ جس میں جنوری فرسٹ 1993 کی تاریخ میں میرا گول لکھا ہوا تھا کہ میں اس سال اپنی آمدنی 100,000 ڈالرز سے زیادہ کر لوں گا۔

اس وقت سے میں مستقل اپنے گولز سیٹ کر رہا ہوں اور ہر سال ان کو حاصل کر

رہا ہوں۔ 1997 میں میری کمپنی کی سیلز، 2 ملین (million) کے قریب تھی، 1998 میں 4 ملین اور 1999 میں میرا گول 6 ملین کا تھا جو کہ ہم نے حاصل کر لیا ہے۔

میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ سب قسمت یا luck سے نہیں ہوا۔ میں نے اپنے گولز کو حاصل کرنے کیلئے اسکی پوری پوری قیمت ادا کی ہے۔ اپنے بزنس کے ابتدائی پانچ سالوں میں، میں نے ٹی وی نہیں دیکھا، اخبار نہیں پڑھا، اور ریڈیو نہیں سنا۔ میں نے ساتوں دن 16,16 گھنٹے کام کیا ہے۔

اگر آپ بھی اس طرح فوکس (Focus) کر سکتے ہیں اپنے گولز کو حاصل کرنے کیلئے تو یقیناً آپ ان کو حاصل کر لیں گے۔

گولز سیٹ کرنے کے بارے میں اور ان کو حاصل کرنے کیلئے چند باتوں کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔

1- ایسا گول سیٹ کریں جو عملی (realistic) ہو اور جسے آپ حاصل کر سکیں۔ مثلاً اگر آپ اس وقت 30 ہزار ڈالرز سال کے کما رہے ہیں تو دو سال میں 50 ہزار کا گول عملی (realistic) ہے۔ مگر 6 مہینے میں اس گول کو حاصل کرنا عملی (realistic) نہیں ہے۔ اور گول بالکل واضع ہونا چاہیئے۔ مثلاً یہ کوئی گول نہیں ہے کہ میں مستقبل میں اپنی آمدنی کو بڑھا لوں گا۔ یہ بالکل واضح ہونا چاہیئے کہ میں اپنی آمدنی کو 20 ہزار بڑھاؤں گا اور دو سال میں۔

اکثر لوگ گول تو سیٹ کر لیتے ہیں مگر وہ ان کاموں پر فوکس (Focus) نہیں کر پاتے جو اہم ہوتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ہزاروں ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو آپ کو اپنے گول حاصل کرنے سے روک سکتی ہیں۔ میں آپ کو ایک سادہ آئیڈیا (Simple idea) بتاتا ہوں جس نے ایک کمپنی اور اس کے ملازمین کو انتہائی امیر کر دیا تھا۔

کافی عرصے پہلے کی بات ہے جب Bethlehem steel ایک چھوٹی سی کمپنی تھی۔ اس زمانے میں ایک منیجمینٹ کنسلٹینٹ (management

(consultant) نے اس کمپنی کے ایک منیجر (manager)، چارلس شواب کو ایک آئیڈیا دیا تھا۔ چارلس شواب اس آئیڈیا کو استعمال کرنے کی وجہ سے اتنا کامیاب ہوا کہ وہ تاریخ میں پہلا شخص ہے جسکی تنخواہ ایک ملین ڈالرز تھی۔ کمپنی کا مالک اینڈریو کارنیگی چارلس شواب کو اتنی تنخواہ اس لیے دیتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ چارلس شواب کمپنی کو اس سے زیادہ کما کر دیتا ہے۔ جب وہ نوجوان کنسلٹینٹ (Young consultant) جس کا نام I.V.Lee تھا چارلس شواب کے پاس آیا تو چارلس شواب نے اس سے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے مگر ہم اپنے کاموں کو پورا نہیں کر پاتے ہیں۔ کیا تم ہم کو بتا سکتے ہو کہ ہم کس طرح ان کاموں کو ختم کر سکتے ہیں جو اہم ہیں۔ Lee نے کہا کہ یہ تو بہت آسان ہے۔ میں تم کو ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ تم اس ترکیب کو استعمال کرو اور اسکے بعد مجھے اپنی مرضی سے پیسے بھیج دینا۔ Lee نے چارلس شواب کو ایک کاغذ دیا اور کہا کہ اس میں وہ تمام کام لکھ دو جو تمھیں کل کرنے ہیں۔ اب ان کو نمبر کر دو اہمیت کے حساب سے یعنی سب سے اہم کام نمبر1، اس کے بعد نمبر2، وغیرہ- شواب نے ایسا ہی کیا۔

اب Lee نے کہا کہ کل صبح تم وہ کام کرنا جو نمبر1 ہے اور کسی اور کام کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگانا جب تک کہ نمبر1 کام مکمل نہیں ہو جائے۔ اس کے بعد نمبر2 کام کرنا اور پھر نمبر3۔ اگر تم اس لسٹ(list) میں تمام کاموں کو نہیں بھی کر سکو تو کوئی بات نہیں کیونکہ تم نے ان کاموں کو مکمل کر لیا ہے جو سب سے زیادہ اہم تھے۔ اگر تم تمام کام مکمل کر لو ایک دن میں، تو دوسری لسٹ تیار کرو اور اسی طرح اُس لسٹ پر کام کرو۔

راز یہ ہی ہے کہ تمھیں یہ ہر دن کرنا ہے۔ تمھیں ہر کام کی اہمیت کا اندازہ کرنا ہے، اور لسٹ بنانی ہے کہ کونسا کام پہلے کرنا ہے اور کون سا بعد میں۔ یہ پلان بنانے کے بعد تمھیں اسی پر سختی سے عمل کرنا ہے۔

Lee نے کہا کہ تم اس ترکیب کو جتنے عرصے بھی استعمال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اسکے بعد مجھے ایک چیک بھیج دینا اس آئیڈیا کی تمہارے لیے اہمیت کے حساب سے۔ چارلس شواب نے کچھ ہفتے اس ترکیب پر عمل کیا اور اسکے بعد Lee کو 25,000 ڈالرز کا چیک بھیج دیا۔ اس زمانے (1930's) میں25,000 ڈالرز بہت بڑی رقم تھی۔

چارلس شواب نے بعد میں اپنے دوستوں کو بتایا کہ اس کی زندگی میں یہ سب سے اہم آئیڈیا تھا۔

گولز سیٹ کرنا اور ان کا حاصل کرنا کوئی ایسا پیچیدہ کام نہیں ہے۔ تقریباً ہر شخص جو اپنے ارادے کا پکا اور سخت محنت کرنے کیلئے تیار ہو، اپنے گولز کو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں کو اپنے گولز پورے کرنے کیلئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یا پھر کچھ لوگ چند گولز حاصل کر لینے کے بعد مزید گولز سیٹ نہیں کر پاتے۔

کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے آپ خوشی سے اپنے گولز سیٹ کرتے رہیں اور انہیں حاصل کرنے کیلئے محنت کرتے رہیں؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی انجانی طاقت خود بخود آپ کو اپنے گولز کی طرف کھینچتی رہے؟ ہاں اسکا طریقہ بھی بہت سادہ (simple) ہے۔ اور یہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے۔

پیراڈائم (Paradigm)

انسان کی زندگی میں ایک بڑی (major) تبدیلی یا بہتری (improvement) اس وقت آتی ہے جب وہ اپنے پیراڈائم یا frame of reference کو سمجھنے لگتا ہے اور اسے بدلتا ہے۔

ایک پیراڈائم بدلے بغیر بھی آپ اپنی زندگی میں تبدیلی لا سکتے ہیں، آپ اپنا رویّہ یا انداز (attitude) بدل سکتے ہیں، آپ زیادہ محنت کرنے کی عادت ڈال سکتے ہیں۔ آپ مختلف گولز سیٹ کر سکتے ہیں اور ان کو حاصل کر سکتے ہیں لیکن اپنی زندگی میں ایک اہم تبدیلی لانے کیلئے آپ کو اپنا پیراڈائم بدلنا ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ پیراڈائم کیا ہے؟

ہم جس طرح سے اس دنیا کو دیکھتے ہیں وہ ہمارا پیراڈائم ہے۔ آپ جس طرح بھی سوچتے ہیں جس طرح بھی سمجھتے ہیں اس دنیا کو اور اس میں ہونے والی چیزوں کو وہ اپنے پیراڈائم یا frame of reference سے دیکھتے، سوچتے، اور سمجھتے ہیں۔ آپکا پیراڈائم آپ کے تجربات سے بنتا ہے اور یہ آپ کی ہر صلاحیت، جس میں دیکھنے، سننے، سونگھنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت شامل ہے، کو کنٹرول کرتا ہے- آیئے پیراڈائم کو سمجھنے کیلئے ہم اس واقعہ پر غور کرتے ہیں۔

امریکہ میں ریڈ انڈینز (Red Indians) کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگوں کو ایمپائر اسٹیٹ (Empire Estate) بلڈنگ کی تصویریں دکھائی جا رہی تھیں اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ اب امریکہ میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ انہوں نے دنیا کی سب سے بلند عمارت یہاں بنا دی ہے۔ ریڈ انڈینز (Red Indians) نے تصویریں دیکھنے کے بعد جو پہلا سوال کیا وہ یہ تھا، ’’اس بلڈنگ میں کتنی بھیڑیں (Sheeps) آ سکتی ہیں؟‘‘

اُن کا Frame of reference یا پیراڈائم یہ تھا کہ وہ کسی بھی عمارت کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا اندازہ اس بات سے لگاتے تھے کہ اس میں کتنی بھیڑیں (Sheeps) سما سکتی ہیں۔

پیراڈائم شفٹ (Paradigm shift) یا پیراڈائم کی تبدیلی کو سمجھنے کیلئے میں آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جو Dr. Steven Covey نے اپنی کتاب Seven Habits of Highly Effective People میں اس طرح سے بیان کیا ہے:-

"میں ایک مرتبہ نیویارک میں ٹرین میں کہیں جا رہا تھا۔ ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی اور ایک آدمی کچھ بچوں کے ساتھ ڈبے میں داخل ہوا۔ بچے بہت بدتمیز قسم کے تھے اور کچھ ہی دیر میں انہوں نے پورے ڈبے کا سکون برباد کر دیا۔ وہ آپس میں لڑ رہے تھے، بھاگ رہے تھے اور اِدھر اُدھر چڑھ رہے تھے۔ ان کا والد سر جھکائے ایک طرف بیٹھا تھا اور لگتا تھا کہ اس کو اس بات کا خیال نہیں ہے کہ اس کے بچے دوسرے لوگوں کو تنگ کر رہے ہیں۔

اب آپ سوچیں کہ اگر آپ اس سچویشن میں ہوں تو کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو کافی غصہ آئے گا کہ آخر یہ آدمی کیوں اپنے بچوں کو نہیں سنبھال رہا۔ آپ شاید اس چیز کو نظر انداز کرنے کی کوشش کریں یا پھر دل ہی دل میں اس آدمی کو اور ان بچوں کو برا بھلا کہیں۔

میں کچھ دیر تک تو برداشت کرتا رہا مگر جب ان بچوں کی بدتمیزی میں کوئی کمی نہیں آئی تو میں اس آدمی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تمہارے بچوں نے تمام لوگوں کو تنگ کیا ہوا ہے۔ کیا تمہیں ان کو کنٹرول کرنا نہیں چاہئے؟

اس آدمی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ہاں مجھے افسوس ہے اس بات کا۔ مگر ہم ہسپتال سے آ رہے ہیں اور ان کی ماں کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ غالباً مجھے اور ان بچوں کو نہیں پتہ کہ ہم اس صورت حال کو کیسے سنبھالیں۔

یہ بات سنتے ہی میرا پیراڈائم بدل گیا۔ اب میں اس صورت حال کو دوسری نظر سے دیکھنے لگا۔ اب میں ان بچوں اور ان کے والد پر غصہ ہونے کے بجائے ان کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ان سے ہمدردی ہو گئی۔ اپنا پیراڈائم بدلے بغیر یہ بات ممکن نہیں تھی۔"

غالباً اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پیراڈائم اور پیراڈائم شفٹ کا کیا مطلب ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آپکا پیراڈائم کیا ہے، آپ کس طرح سے اس دنیا کو دیکھتے ہیں۔

کیا آپ اپنے آپ کو حالات کا شکار (Victim) سمجھتے ہیں؟ کیا آپکا خیال ہے کہ جس طرح کے بھی حالات ہوں آپ کو ان کے مطابق زندگی گزارنا ہے اور آپ ان حالات کو نہیں بدل سکتے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ آپکی زندگی کا مقصد کمانا، کھانا اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزارنا ہے، اور اپنے بیوی بچوں کو پالنا پوسنا ہے؟ آپ میں سے کچھ لوگوں کا پیراڈائم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم اس دنیا میں صرف ایک مسافر ہیں اور ہمیں اپنی زندگی خدا کی عبادت میں گزارنی چاہئے اور اپنی آخرت کی فکر کرنا چاہیے۔

آپ کا جو بھی پیراڈائم ہو، آپ کے حالات آپ کے پیراڈائم کے حساب سے ہی ہوتے ہیں۔

انسان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا ہے، زیادہ تر حالات میں وہ خود ان حالات و واقعات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے حالات و واقعات کی ذمہ داری قبول کرنا بالغ ہونے کی پہلی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

لوگ اپنا پیراڈائم ایک دوسرے سے سیکھ کر بناتے ہیں اور اسے ایک دوسرے کی مدد سے مضبوط (reinforce) کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات ریسرچ سے ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا میں ہر جگہ کے لوگ ذہانت میں کم وبیش ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ تو پھر آخر کچھ قومیں کیوں ترقی یافتہ ہیں اور کچھ قومیں کیوں پس ماندہ اور غریب ہیں؟ یہ ان کے ماحول کی وجہ سے اور ان قوموں کے مجموعی پیراڈائم کی وجہ سے ہے۔

اگر آپ اپنے حالات اور اپنے ملک کے حالات کو بدلنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو اپنا پیراڈائم بدلنا ہوگا اور آپ کو ایک نقشہ (map) چاہئے جو آپ کو آپ کی منزل کی طرف لے جا سکے۔

تو میرا یعنی ظفر خضر کا پیراڈائم کیا ہے اور میں اس دنیا کو کس طرح دیکھتا ہوں؟

میرا خیال ہے کہ میری ذمہ داری مجھ سے شروع ہوتی ہے اور اس کائنات پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اپنی زندگی کا اور مجھے انتہائی کوشش کرنی ہے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی۔ میں ذمہ دار ہوں اپنے بچوں کی بہترین پرورش اور تعلیم و تربیت

کا۔ میں ذمہ دار ہوں اپنے محلے کو اپنے شہر کو اور اپنے ملک کو بہتر بنانے کا۔ اور یقیناً یہ میری ہی ذمہ داری ہے کہ میں اس دنیا اور اس پوری کائنات کی بھلائی اور بہتری کا بھی خیال رکھوں۔

اگر یہ کائنات نہیں ہوگی تو یہ دنیا بھی نہیں ہوگی۔ اگر یہ دنیا نہیں ہے تو یہ ملک بھی نہیں ہے اور اگر یہ ملک نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ نہ میرا شہر رہے گا اور نہ میرا گھر اور میں۔ مجھے اپنی زندگی میں اس طرح کا توازن (Balance) رکھنا ہے کہ میں خود بھی ترقی کرتا رہوں اور بہتر سے بہتر ہوتا رہوں اور اپنے ملک اور اس دنیا کی بہتری کا بھی خیال رکھوں۔

اس پیراڈائم ہی کی وجہ سے ایک 6 ملین ڈالرز کا بزنس چلانے کے باوجود میں نہ صرف اپنے بزنس کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کیلئے کام کرتا ہوں بلکہ اپنا فارغ وقت ان کتابوں کو پڑھنے میں لگاتا ہوں جن سے میں یہ سیکھ سکوں کہ اس دنیا کو کیسے بہتر بنایا جاسکتا ہے- اپنی ان مصروفیات کے دوران ہی میں یہ کتاب بھی لکھ رہا ہوں کیونکہ یہ کتاب پاکستان کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتی ہے-

آپ بھی اپنا پیراڈائم بدل لیجئے، آپ کو ایک انجانی طاقت کامیابی کی طرف کھینچتی رہے گی - سچی کامیابی کی طرف-

وہ ایک بات جس نے میری زندگی بدل دی!

یہ غالباً 1981 کی بات ہے- یہ میرا اپلائیڈ فزکس کا پہلا سیمسٹر تھا- کیونکہ میں نے بی ایس سی تک اردو میں امتحان دیئے تھے- میرے لئے انگلش میں پڑھنا اور سمجھنا بہت مشکل ہورہا تھا- اپلائیڈ فزکس سے مجھے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی- صرف اس وجہ سے میں نے اپلائیڈ فزکس میں داخلہ لیا تھا کہ اس میں جاب ملنے کے مواقع بہت تھے-

اس وقت میرے ذہن میں یہ خیالات آ رہے تھے کہ یا تو مجھے اپنے پسندیدہ مضمون حساب (mathematics) میں ماسٹرز کرنا چاہئے یا پھر تعلیم چھوڑ کر کوئی جاب تلاش کرنا چاہئے- کیونکہ لوگوں کو ماسٹرز کرنے کے بعد بھی جاب نہیں ملتی تھی، اس لئے مجھے ماسٹرز کرنے کا بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا-

میں تین دن تک صحیح طرح نہیں سو سکا- بعض اوقات کوئی فیصلہ کرنا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے- آخر کار میں نے اپنے ٹیچر ریاض صاحب سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا- ریاض صاحب میرے پسندیدہ ٹیچر تھے- انہوں نے نہ صرف مجھے نویں اور دسویں میں نہایت محبت سے پڑھایا تھا بلکہ بی ایس سی تک حساب میں وہ میری مدد کرتے رہے تھے- بغیر کسی معاوضے کے- جب میں نے ریاض صاحب کو بتایا کہ میرا ارادہ یا تو حساب میں ماسٹرز کرنے کا ہے یا پھر جاب کرنے کا تو انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا- "ظفر! تم حساب میں ٹرانسفر تو لے لو، مگر میں تم کو بتا دوں کہ تم حساب میں بھی ماسٹرز نہیں کرسکو گے- " میں نے ریاض صاحب کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا، "سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں حساب میں آپ کے بہترین شاگردوں میں سے ایک ہوں- آخر میں کیوں حساب میں ماسٹرز نہیں کرسکتا؟"

ریاض صاحب نے بغیر کسی جھجک کے کہا، "اس لئے کہ تم نے پیچھے ہٹنا سیکھ لیا ہے- جب ایک مرتبہ کوئی شخص پیچھے ہٹنا سیکھ جائے تو پھر وہ کسی فیلڈ میں کامیاب نہیں ہوسکتا-"

ریاض صاحب کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی- میں نے ان کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے کہا، "سر! اب میں ماسٹرز ضرور کروں گا اور اپلائیڈ فزکس ہی میں کروں گا-"

دو سال کے بعد میں اپلائیڈ فزکس میں فرسٹ ڈویژن میں ماسٹرز کرچکا تھا- حالانکہ میں نے اپلائیڈ فزکس میں دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے کبھی اس فیلڈ میں جاب نہیں کی- مگر ریاض صاحب کی بات اور اپلائیڈ فزکس میں ماسٹرز ڈگری حاصل کرنے کی فتح نے مجھے جو سبق سکھایا، وہ کسی بھی فیلڈ میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے کافی تھا-

تھینک یو! ریاض صاحب-

امید اور یقین

یہ 1994 کی بات ہے- نیویارک یونیورسٹی کے ڈائریکٹر (Director of Continuing Education) نے مجھے صبح دس بجے بلایا تھا تاکہ وہ میری کتابوں کو دیکھ سکے اور اگر اسے پسند آئیں تو ان کو یونیورسٹی میں پڑھانے کے سلسلے میں بات چیت کر سکے-

میرا نیویارک جانا بہت کم ہوتا تھا اس لئے مجھے صبح کے وقت ٹریفک کا اندازہ نہیں تھا مگر میرا خیال تھا کہ میں وہاں ایک گھنٹے میں پہنچ سکتا ہوں- چنانچہ میں اپنے گھر سے جو کہ نیوجرسی میں تھا وقت پر پہنچنے کیلئے 1/2 1 گھنٹے پہلے نکل گیا- نیویارک کے قریب پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ میری گاڑی ٹریفک میں زیادتی کی وجہ سے کافی آہستہ چل رہی ہے اور میں شاید وقت پر نیویارک یونیورسٹی نہیں پہنچ پاؤں گا-

میں دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا کہ آخر کیوں میں اور جلدی گھر سے نہیں نکلا اور امید کر رہا تھا کہ وقت پر پہنچ جاؤں گا - میں گاڑی میں بیٹھا اپنے آپ کو مجبور محسوس کر رہا تھا اور مجھے لفظ "امید" سے سخت نفرت سی ہونے لگی - میں نیویارک یونیورسٹی تقریباً آدھے گھنٹے لیٹ پہنچا - جب میں نے ڈائریکٹر کو سوری (sorry) کہا تو اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں - نیویارک میں عام طور پر ٹریفک ایسا ہی ہوتا ہے - ایک چھوٹی میٹنگ کے بعد اس نے مجھے کچھ دنوں کے بعد پھر صبح 10 بجے آنے کو کہا تاکہ وہ اپنے اساتذہ سے میری کتابوں کے بارے میں رائے لے لے-

میں دیر سے پہنچنے کی وجہ سے دل ہی دل میں بہت شرمندہ تھا اور میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ میں آئندہ کبھی "امید" پر کام نہیں کروں گا - چنانچہ دوسری میٹنگ کے دن میں گھر سے ساڑھے آٹھ بجے کے بجائے ساڑھے چھ بجے نکل گیا تاکہ میں "امید" کے بجائے "یقین" کے ساتھ وقت پر وہاں پہنچ جاؤں چاہے ٹریفک کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو- میں تقریباً 8 بجے نیویارک یونیورسٹی پہنچ چکا تھا اور ڈائریکٹر کے کمرے سے ذرا دور بیٹھ کر 10 بجنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک وہ کافی لینے کے لئے وہاں سے گزرا اور مجھے اتنی جلدی دیکھ کر حیران ہوا - میں نے کہا کہ میں ٹریفک کے رش سے بچنے کے لئے جلدی آ گیا ہوں اور 10 بجے تک یہاں انتظار کر سکتا ہوں - مگر ڈائریکٹر مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور میٹنگ جلدی شروع کر دی-

اس واقعے کی وجہ سے میں نے "امید پر دنیا قائم ہے" کے محاورے کو اس طرح بدل دیا ہے "امید پر دنیا قائم ہے مگر یقین سے چل رہی ہے- " ان لوگوں کے

یقین سے جو ہر قسم کے حالات کے باوجود کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں -

ممکن اور ناممکن

یہ سچا واقعہ اس شخص کا ہے جو آج کل کیلیفورنیا کی ایک یونیورسٹی میں حساب کے ڈیپارٹمنٹ (mathematics department) کا سربراہ ہے (اس کا نام مجھے یاد نہیں) واقعہ انہوں نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے :-

مجھے یونیورسٹی سے گریجویٹ ہوتے ہی ایک جاب کی شدت سے ضرورت تھی - جاب اس زمانے میں بہت مشکل سے ملتی تھی اور یونیورسٹی میں ٹیچنگ کی جاب ملنے کا اس وقت ہی چانس تھا جب میرا گریڈ میرے آخری پرچے میں بہت اچھا ہوتا - اچھا گریڈ لانے کے لئے میں نے سخت محنت کی تھی اور میں امتحان کی صبح سے پہلے کافی رات گئے تک پڑھتا رہا - صبح جب میری آنکھ کھلی تو مجھے یہ احساس ہوا کہ پرچہ شروع ہو چکا ہے - میں بھاگم بھاگ اپنے ہوسٹل سے امتحان کے کمرے میں پہنچا - تمام لڑکے امتحان شروع کر چکے تھے میں سب سے آخر میں آیا تھا - بڑی تیزی سے میں نے وقت ختم ہونے سے پہلے پرچے میں دیئے ہوئے تمام سوالات حل کئے - پرچے کے علاوہ بلیک بورڈ پر بھی تین سوالات لکھے ہوئے تھے جن کو حل کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا - تمام لڑکے پرچے واپس کر کے جا چکے تھے - میں نے اپنے پروفیسر کو پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا کہ سر میں اپنی آنکھ جلدی نہ کھلنے کی وجہ سے دیر سے امتحان دینے آیا تھا - میں نے پرچے میں دیئے ہوئے تمام سوالات حل کر لئے ہیں مگر بورڈ میں لکھے ہوئے سوال نہیں حل کر سکا ہوں - اگر آپ مجھے کچھ وقت دے دیں تو میں ان سوالوں کو بھی حل کر دوں گا - پروفیسر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور بولا " اچھا میں تم کو دو دن کا وقت دے دیتا ہوں - تم جمعرات کی صبح تک ان سوالات کے حل میرے پاس جمع کروا سکتے ہو - " میں نے اپنے پروفیسر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ہوسٹل میں واپس آ کر ان سوالات کو حل کرنے میں لگ گیا - کئی گھنٹے کی محنت کے باوجود میں ان میں سے کوئی سوال بھی نہیں حل کر پایا - مگر میں اپنی کوشش میں لگا رہا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوسرے لڑکوں کے گریڈز میرے سے اچھے آئیں اور میں جاب لینے سے محروم ہو جاؤں - دو دن کی مستقل محنت کے بعد میں ان میں سے صرف دو سوال حل کر پایا - مگر ایک اب بھی باقی تھا - جمعرات کی پوری رات میں تیسرا سوال حل کرنے میں لگا رہا - آخر کار صبح ہونے سے کچھ پہلے میں نے تیسرا سوال بھی حل کر لیا - میں بھاگ کر اپنے پروفیسر کے دفتر گیا اور اس کے میل باکس (mail box) میں سوالوں کے حل ڈال دیئے اور واپس اپنے ہوسٹل آ کر سو گیا - دوسرے دن صبح سویرے بیل بجی - میں نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر

بہت حیران ہوا کہ میرا پروفیسر کھڑا ہوا تھا - اس نے انتہائی حیرت اور خوشی کے جذبات سے کہا " تمہیں معلوم ہے کہ تم نے حساب (mathematics) کی تاریخ میں ایک نیا باب لکھا ہے -" میں نے حیران ہو کر پوچھا " کیوں! اس لئے کہ میں اس دن امتحان دینے دیر سے پہنچا تھا ؟ " پروفیسر نے شدت جذبات سے کہا " نہیں ، اس لئے کہ تم نے وہ سوالات حل کر دیئے ہیں جو آج تک کوئی حل نہیں کر پایا - آئن اسٹائن (جو کہ انسانی تاریخ کے چند ذہین ترین لوگوں میں سے ایک ہے) آخری عمر تک ان سوالات کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر نہیں حل کر پایا - یہ سوالات حساب (mathematics) کی دنیا میں غیر حل شدہ (unsolvable) سمجھے جاتے تھے "
بعد میں مجھے معلوم چلا کہ امتحان شروع ہونے کے وقت پرچہ بانٹنے کے بعد پروفیسر نے یہ سوالات بورڈ پر لکھ کر یہ کہا تھا کہ ان سوالوں کو آج تک کوئی حل نہیں کر پایا ہے - آج تم لوگوں کا یونیورسٹی میں آخری دن ہے اس لئے میں تم کو یہ سوال بتا رہا ہوں تا کہ تم میں سے جو بھی چاہے اپنی باقی زندگی ان سوالوں کو حل کرنے میں لگا سکتا ہے - کیونکہ میں امتحان دینے دیر سے پہنچا تھا اس لئے میں یہ سمجھا کہ یہ سوالات بھی امتحان کا حصہ ہیں - اچھا ہوا کہ میں نے یہ نہیں سنا کہ یہ سوال غیر حل شدہ (unsolvable) ہیں کیونکہ پھر شاید میں ان سوالوں کو حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا یا حل نہیں کر پاتا -

یہاں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مجھے یونیورسٹی میں بغیر کسی دقت کے جاب کیلئے رکھ لیا گیا تھا-

....

کاش کہ ہمیں کوئی یہ نہ بتائے کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن- جب تک کہ ایک شخص (Roger Bannister) نے ایک میل کا فاصلہ 4 منٹ میں دوڑ کر طے کرنے کا ریکارڈ قائم نہیں کیا تھا، کوئی اتنا تیز دوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا- مگر جب لوگوں کو یہ پتہ چل گیا کہ ایسا ممکن ہے تو ایک سال کے اندر اندر تقریباً 200 لوگوں نے ایسا کر دکھایا-

یہ گھاٹے کا سودا ہے- (It is not worth it)

ٹی وی سیریل " Wonder Years " امریکہ کے مشہور ترین پروگراموں میں سے ایک ہے- میں اس سے زیادہ کسی اور ٹی وی پروگرام سے متاثر نہیں ہوا- اس کی ایک قسط میں دکھاتے ہیں کہ ایک نئی ٹیچر اسکول میں آتی ہے اور وہ طالبعلموں کو بالکل نئے انداز سے پڑھانا شروع کرتی ہے- وہ طالبعلموں کو روائتی (traditional) طریقہ کار سے نکال کر ان میں سوچنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتی ہے- وہ چاہتی ہے کہ طالبعلم سوال و جواب رٹنے کے بجائے آپس میں بحث و مباحثہ کریں اور اپنے آپ کو گریڈ دینے کے بھی وہ ہی ذمہ دار ہوں- اسکول کی انتظامیہ اس کے نئے طریقہ کار کو پسند نہیں کرتی- وہ طالبعلموں کو اپنے دقیانوسی طریقوں سے ہی پڑھاتے رہنا چاہتی ہے- آخرکار اسکول کا پرنسپل اس ٹیچر کو بلا کر کہتا ہے کہ وہ یا تو اسکول کے طریقوں کے مطابق پڑھائے یا پھر جاب سے استعفیٰ دے دے- ٹیچر استعفیٰ دے دیتی ہے- جب وہ ٹیچر اپنا سامان گاڑی میں رکھ کر واپس جارہی ہوتی ہے تو ایک افسردہ طالب علم اس سے کہتا ہے کہ آخر کیوں اس نے اپنا طریقہ کار نہیں بدلا، کم از کم اس طرح اس کی جاب بچ جاتی- ٹیچر جواب دیتی ہے "It is not worth it "

آفرین ہے ان لوگوں پر جو زندگی کے بلند مقصد کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اور ہر امتحان کے موقع پر اس کے بدلے کوئی بھی چیز لینے سے یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں کہ " یہ گھاٹے کا سودا ہے-"

" It is not worth it"

کیا عورتیں ،مردوں سے بہتر ہیں ؟

تین باتوں کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں ،مردوں سے بہتر انسان (Human being) ہیں-

1 - جب مرد اپنا سارا وقت شکار کی تلاش میں گزارتا تھا ،عورتوں نے کاشتکاری دریافت کی - یہ عورتیں ہی تھیں جنھوں نے سب سے پہلے زمین کی زرخیزی دریافت کی اور زمین سے چیزیں اگائیں - کاشتکاری ہی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ انسان اپنی ضرورت سے زیادہ اگا سکتا تھا اور اس کو سوچنے اور مہذّب (civilized) ہونے کا موقع ملا - تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کو جانوروں سے الگ کرنے اور مہذّب (civilized) بنانے میں عورتوں کا بنیادی ہاتھ ہے-

2 - دو یا تین سال کی عمر میں یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے کہیں زیادہ اسمارٹ (smart) ہوتی ہیں- وہ جلدی بولنا سیکھتی ہیں اور لڑکوں سے زیادہ جلدی سمجھدار یا بالغ (mature) ہوتی ہیں- غالبًا بعد میں ہمارا معاشرہ مردوں کے کنٹرول میں (man dominated) ہونے کی وجہ سے عورتوں کو دبا (Suppress) دیتا ہے- آج کل عام طور پر تمام بڑے بڑے عہدوں پر مرد نظر آتے ہیں اور زیادہ کامیاب بھی وہی نظر آتے ہیں مگر اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ شروع سے جسمانی طاقت کو اہمیت حاصل تھی - اس وجہ سے مردوں کو یہ موقع ملا کہ وہ اوپر آ سکیں - آج کل کے اور آنے والے دور میں جسمانی قوت یا بہادری کی وجہ سے سبقت نہیں لی جا سکتی - جو اپنے دماغ کو جتنا زیادہ استعمال کرے گا اتنی ہی ترقی کرے گا اور دوسروں پر حکومت کرے گا -

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ریسرچ کے مطابق عورتوں اور مردوں میں ذہانت کے حساب سے کوئی فرق نہیں ہے- اگر صرف مردوں کی ذہانت کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں زیادہ فیصد لوگ وہ ہیں جو یا تو بہت کم ذہین ہیں یا وہ جو بہت ذہین ہیں - (اگر مرد زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں تو جیلوں میں بھی زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں-) جبکہ عورتوں میں ذہانت کی تقسیم زیادہ مساوی ہے- یعنی زیادہ تر عورتیں نہ تو بہت زیادہ ذہین ہوتی ہیں اور نہ کم ذہین- تمام عورتوں کی ذہانت کا اوسط، تمام مردوں کی ذہانت کے اوسط کے برابر ہی ہے-

3 - امریکہ میں عورتوں کی اوسط عمر مردوں کی اوسط عمر سے سات سال زیادہ ہے- اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ بیالوجیکل طور پر عورتوں کی باڈی (Body) ، مردوں کی باڈی یا جسم

سے زیادہ دیرپا یا پائیدار (durable) ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی باڈی ہارمونز کی تبدیلی سے گزرتی رہتی ہے- ہر مہینے ماہواری کا آنا اور بچے کو پیٹ میں پالنے کی وجہ سے اس کی باڈی زیادہ دیرپا یا پائیدار (durable) ہو جاتی ہے-

چاہے عورت مرد سے بہتر ہو یا نہ ہو وہ کسی بھی طرح اس سے کم نہیں ہے-

میرا خیال ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عورتوں کو اپنے ورثہ (heritage) کو حاصل (claim) کرنا چاہئے اور ثابت کرنا چاہئے کہ وہ اتنی ہی کارآمد اور مالی، معاشی اور جاب (professionally طور) پر اتنی ہی کامیاب ہو سکتی ہے جتنا کہ مرد- مغرب میں تو عورتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے، اب مشرق کی عورتوں کی باری ہے-

ہمارا انتخاب ، ہماری قسمت

اس دنیا میں عظیم ترین لوگوں سے لے کر ظالم ترین لوگوں کی زندگیوں کی مثالیں موجود ہیں - ایماندار سے لے کر بے ایمان لوگوں کی زندگیاں ، عظیم کھلاڑیوں ، فنکاروں اور عظیم سائنسدانوں کی زندگیوں سے لے کر ان لوگوں کی زندگیاں جنہوں نے اس دنیا کے لئے کچھ نہیں کیا - بڑے بڑے بہادروں اور سپہ سالاروں سے لے کر بزدل اور غداروں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں - انتہائی امیر لوگوں سے لے کر مفلس ، غریب اور لاچار لوگوں کی زندگیاں ، انتہائی متحرک (Active) لوگوں سے لے کر انتہائی سست لوگوں کی زندگیاں اور ہزاروں جانوروں کی زندگیوں کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں - غرض ہمارے سامنے ہزاروں طرح کی زندگیوں کے نمونے موجود ہیں اور ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ جیسی چاہے اور جب چاہے ، ویسی زندگی اپنے لئے منتخب کر لے -
مگر اہم بات یہ ہے کہ جو جیسی زندگی چنتا ہے ، وہ ہی اس کی قسمت ہو جاتی ہے -

ذمہ داری انتخاب کرنے والے پر ہے اور خدا بری الذمہ -

نوجوان نسل کے لئے عملی مشورہ

نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے

- جتنی اعلیٰ تعلیم آپ حاصل کر سکتے ہیں کریں - امریکہ کے ایک صدر نے کہا تھا کہ اگر میرے پاس صرف دو دن ہوں ایک درخت کاٹنے کے لئے تو میں ایک دن اپنی کلہاڑی تیز کرنے میں صرف کروں گا -

اگر آپ 30 سال کی عمر تک Ph.D. ختم کر لیتے ہیں تو آپ تقریباً 70 سال کی عمر تک یعنی کہ 40 سال تک اپنی بہترین صلاحیتوں کا صلہ (Reward) حاصل کرتے رہیں گے اور یہ بہترین چیز ہے جو آپ اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں (Generations) کے لئے کر سکتے ہیں - عام طور پر جو جتنا زیادہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ اتنا ہی مہذب، شائستہ اور خوش اخلاق ہوتا ہے - وہ اتنا ہی اپنے معاشرے، ملک، اور اس دنیا کے لئے مفید ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں دولت، خوشی، اولاد کی تعلیم و تربیت، اور کنٹرول کا بہت مناسب تناسب نظر آتا ہے - (یہ عموماً ان پڑھ آدمی ہی ہوتا ہے جس کی زندگی کو گلی کا بدمعاش، کرپٹ پولیس والے، یا ظالم جاگیردار بہت آسانی سے کنٹرول کر سکتے ہیں -)

- اگر آپ اپنے موجودہ پروفیشن (profession) سے خوش اور مطمئن نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں - اسے بدل لیجئے - دنیا میں جن لوگوں نے بہت زیادہ ترقی کی ان میں اکثر وہ ہیں جنہوں نے اپنا پروفیشن کئی بار بدلا - (میں نے پہلے اپلائیڈ فزکس میں ماسٹرز کیا جس کی بناء پر ایک Electronics Engineer کی جاب ملتی تھی - ماسٹرز کرنے کے بعد میں نے تجزیہ (Analyze) کیا کہ مجھے الیکٹرونکس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لہذا پھر میں نے کمپیوٹر سائنس میں M.S. کیا اور اس فیلڈ میں بہت ترقی کی کیونکہ مجھے اس فیلڈ سے حقیقی لگاؤ ہے -)

آج کل پوری دنیا میں کمپیوٹر پروفیشنلز کی بے انتہا مانگ ہے - ایک رپورٹ کے مطابق 1999 کے آخر میں امریکہ میں 700,000 سے زیادہ کمپیوٹر فیلڈ میں جاب خالی (Unfilled) تھیں - زیادہ تر لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ وہ کمپیوٹر میں کامیاب ہو سکتے ہیں - اگر آپ Problem solving میں دلچسپی رکھتے ہیں اور چیزوں کو analyze کرنا پسند کرتے ہیں تو آپ میں Computer Aptitude ہوسکتا ہے - اگر آپ میں Computer Aptitude ہے تو آپ صرف 6 ماہ کی ٹریننگ

کے بعد کمپیوٹر فیلڈ میں داخل ہو سکتے ہیں - میری کمپنی PC AGE نے ایک Computer Aptitude Test بنایا ہے - یہ ٹیسٹ Internet پر فری available ہے - آپ اپنا Computer Aptitude یہ ٹیسٹ دے کر معلوم کر سکتے ہیں - ایڈریس یہ ہے - www.computeraptitude.com -

اگر آپ کا اسکور 50% سے زیادہ ہے تو آپ کمپیوٹر فیلڈ میں کامیاب ہو سکتے ہیں - اگر اسکور 90% کے قریب یا اس سے زیادہ ہے تو آپ ایک بہترین کمپیوٹر پروفیشنل بن سکتے ہیں -

- انگریزی سیکھیں اور جتنا ہو سکے انگریزی اخبارات (Dawn) رسالے (Herald, Newsline)، اور کتابوں کا مطالعہ کریں - اگر آپ انگریزی میں کتابیں پڑھنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں تو زیادہ تر وہ کتابیں پڑھیں جن کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں کیا گیا ہے -

- Internet استعمال کرنے کی عادت ڈالئے اور ایک ٹیکنالوجی نسل (generation) بن جائیے -

- کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالئے، یہ آپ کو ایک بہترین انسان بنا دے گی - جو لوگ اپنا زیادہ تر فری وقت کتابیں پڑھنے میں گزارتے ہیں وہ اپنے ساتھیوں کو ذہنی اعتبار سے بہت پیچھے چھوڑ دیتے ہیں - بزنس یا ٹیکنالوجی میں تیزی سے ترقی کرنے کا بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کتابیں پڑھیں - جو کسی شخص نے 20 سال میں سیکھا ہوتا ہے وہ آپ کچھ دنوں میں سیکھ سکتے ہیں -

خاص طور پر لڑکیوں کے لئے

- اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں (Be Independent) - آپ کو کسی پروفیشن میں ضرور جانا ہے اور یہ سیکھنا ہے کہ پیسے کیسے کمائے جاتے ہیں - آپ کو اپنی صلاحیتوں کو ضرور ثابت کرنا ہے شادی یا بچوں سے پہلے - اگر بچوں کے بعد آپ اپنا سارا وقت ان کی پرورش میں لگانا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے - یہ آپ کی اپنی مرضی (choice) ہے - مگر اس سے پہلے آپ کو کم از کم 3 سال کا کام کرنے کا تجربہ حاصل ہونا چاہئے - اس تجربے کا آپ کے بچوں کی پرورش میں بھی بہت مثبت اثر پڑے گا -

اس کتاب میں ترقی کرنے کے لئے بتائے گئے آئیڈیوں (Ideas) کو استعمال کرنے کے لئے آپ کو صرف تین چیزیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے :-

1 - اپنے آپ کو اس شخص کے طور پر دیکھیں جو اس دنیا کو ایک بہتر دنیا میں بدلنا چاہتا ہے-

2 - آپ کسی بھی پروفیشن میں ہوں یا جو بھی کام کریں اس میں ایک World-Class کام کر کے دکھائیں - اپنے کام کو اتنا اچھا (improve) کریں کہ کوئی وہ کام آپ سے اچھا نہیں کرسکتا ہو - اپنی جاب کو دوسرے لوگوں سے آدھا گھنٹہ پہلے شروع کریں اور پورے دن کی پلاننگ کریں - آپ کی پیداواری صلاحیت (Productivity) دوسرے لوگوں سے ڈبل ہو جائے گی -

3 - اپنی زندگی کو اس طرح سے پلان کریں کہ آپ مالی طور پر 40 سال کی عمر تک خود کفیل ہو جائیں - یعنی آپ کو 40 سال کی عمر کے بعد پیسے کمانے کی ضرورت نہیں پڑے - چاہے اس کے لئے آپ کو 16 گھنٹے دن میں کام کرنا پڑے - آپ کی زندگی کا پہلا حصہ مالی طور پر خود کفیل ہونے کے لئے صرف ہونا چاہئے اور دوسرا حصہ اس زندگی سے لطف اندوز اور اس دنیا کو بہتر بنانے کے لئے -

اگر آپ ان تین باتوں کو اپنی ذات کا حصہ بنا لیں تو ایک انجانی طاقت خود بخود آپ کو کامیابی کی طرف کھینچے گی اور آپ اپنی زندگی میں اپنے تصورات سے بھی زیادہ کامیاب ہوں گے-

حصہ دوم

شعور

فرد یا قوم کی سب سے اہم صلاحیت

اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو لوگوں کی غلطیوں اور قوموں کے عروج و زوال کی بڑی عجیب وغریب داستانیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ بڑی بڑی قوموں نے بعض اوقات صرف معمولی غلطیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے۔ یہی حال خاندانوں کا رہا ہے اور یہی حال انفرادی لوگوں کا ہے۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ کسی بھی فرد یا قوم کی سب سے اہم خوبی یا صلاحیت کیا ہے؟

کیا یہ کہ وہ بہادر ہو، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو؟ ٹیکنالوجی میں آگے ہو؟ عبادت گزار ہو؟ ایماندار ہو؟ امن پسند ہو؟ مخلص ہو؟ یا محنتی ہو؟

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خوبی کسی بھی فرد یا قوم کی سب سے اہم خوبی یا صلاحیت نہیں ہے۔ لوگوں نے یا قوموں نے ان تمام صلاحیتوں کے باوجود اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے۔

کسی بھی فرد یا قوم کی سب سے اہم خوبی یا صلاحیت اس بات کا شعور ہے کہ کونسا راستہ اس کو کامیابی کی طرف اور کونسا اس کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

اس شعور کے بغیر، تمام صلاحیتوں کے ہونے کے باوجود، ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص یا ایک مخلص مذہبی لیڈر، خود کو یا اپنی قوم کو اور تیزی کے ساتھ تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کیلئے ہمیں تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا اور یہ سیکھنا پڑے گا کہ قوموں نے کیا غلطیاں کیں اور ان غلطیوں کی ان کو کیا قیمت ادا کرنا پڑی۔

قوموں کی غلطیاں اور ان کی قیمت

ہندوستان سے ہجرت

یہ 1920 کے قریب کی بات ہے۔ اس زمانے میں مسلمان علماء میں یہ بحث چل رہی تھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا چاہیئے یا کافروں کے اس ملک سے ہجرت کر جانی چاہیئے۔ چنانچہ دو علماء نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر جانا چاہیئے۔

اس فتوے کی وجہ سے ہزاروں مسلمان خاندانوں نے اپنی جائیدادیں اور مکانات کو بیچا اور جو سامان وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے اس کو لے کر وہ افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو ہندوستان میں معاشی طور پر پریشان تھے۔ ان لوگوں میں بہت سے ان پڑھ کاشتکار تھے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ افغانستان میں شاید ان کی زندگی بدل جائے، وہ اس ہجرت تحریک میں شامل ہوئے تھے۔

افغانستان پہنچ کر ان لوگوں کو اندازہ ہوا کہ افغانستان اس وقت بھی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان سے بہت پیچھے تھا۔ دور دور تک پوسٹ آفس نہیں تھے اور لکھنے کے لیے کاغذ بہت مشکل سے ملتا تھا۔ وہاں ان کی اتنی حالت خراب ہوگئی کہ ان کو روٹی اور کھانا خریدنے کے لیے اپنا سامان تک بیچنا پڑ گیا۔ جسکی ان کو آدھی قیمت بھی نہ مل سکی۔ ہزاروں لوگ سفر کی مشکلات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خیموں میں قیام کرنے کی وجہ سے بے چاری پردہ پوش خواتین کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا... اور اس طرح یہ تحریک ہزاروں خاندانوں کو تباہ و برباد کر کے ختم ہوئی۔

خاص بات یہ ہے کہ جن علماء نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا انہوں نے خود ہجرت نہیں کی۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے، جنھوں نے 1920 میں ہجرت کرنے کا فتویٰ جاری کیا تھا 1947 میں مسلمانوں کی پاکستان کی طرف ہجرت کی شدت سے مخالفت کی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان علماء کو جنہوں نے ہجرت کا فتویٰ جاری کیا تھا یا خاندان کے ان بزرگوں کو جنہوں نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس بات کا شعور تھا کہ کون سا راستہ ان کو کامیابی کی طرف لے جاتا ہے اور کون سا تباہی کی طرف؟

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ ان ہزاروں خاندانوں کی تباہی کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ علماء جنہوں نے ہجرت کا فتویٰ جاری کیا تھا یا خاندان کے وہ بزرگ جنہوں نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا تھا؟

یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

گاؤں کے لوگوں کی غلطی

یہ کچھ ہی عرصے پہلے کی بات ہے۔ بھارت کے صوبے اُتر پردیش میں ایک گاؤں کے کچھ افراد نے حملہ کر کے ایک بھیڑیئے کے دو بچوں کو ختم کر دیا کیونکہ بھیڑیوں نے ان کے کچھ جانوروں کو کھا لیا تھا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد ہی سے آس پاس کے گاؤں کے تقریباً 65 بچوں پر کسی نامعلوم مخلوق نے حملہ کیا۔ ان میں سے 45 بچوں کی کھائی ہوئی لاشیں ان کے غائب ہو جانے کے کچھ دن بعد ملیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھیڑیوں کا کام ہے۔ مگر زیادہ تر لوگ اور وہ ماہرین جو بھیڑیوں پر ریسرچ کر رہے تھے اس بات سے متفق نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کیونکہ بھیڑیوں نے سینکڑوں سالوں سے کبھی انسان یا اس کے بچوں پر حملہ نہیں کیا ہے اس لیے یہ ان کا کام نہیں ہوسکتا۔ زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کسی بھوت یا چڑیل وغیرہ کا کام ہے۔ لوگوں کا یہ یقین اس وقت اور پکا ہو گیا جب ایک عورت نے جسکی ایک بچی غائب ہوگئی تھی یہ کہا کہ خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک چڑیل اس کی بچی کو اٹھا کر لے گئی۔

اس طرح جس کسی عورت یا آدمی پر لوگوں کو شک ہوا کہ یہ بھوت یا چڑیل ہو سکتا ہے، اس کو انہوں نے مار دیا۔ اس طرح تقریباً 20 لوگوں کا قتل ہوا۔ تقریباً سات مہینے گزرنے کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کام بھیڑیوں کے ایک گروہ کا ہی تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان 45 بچوں اور 20 بڑوں کی دہشتناک موت کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ چند لوگ جنہوں نے بھیڑیوں کے بچوں کو قتل کیا تھا جسکی وجہ سے بھیڑیوں نے انسانی بچوں پر حملہ کرنا شروع کیا؟ یا تمام گاؤں والے؟ یا پھر وہ ماہرین جن کا خیال تھا کہ یہ کام بھیڑیوں کا نہیں ہوسکتا، یا پھر وہ پولیس والے جنہوں نے یہ معلوم کرنے میں سات مہینے لگا دیئے کہ یہ بھیڑیوں کا کام ہی تھا؟

خوارزم شاہ کی غلطی

یہ 13 ویں صدی عیسوی کی بات ہے۔

اس وقت مغربی ایشیاء میں مسلمانوں کی سب سے عظیم سلطنت کا بادشاہ خوارزم شاہ تھا۔ دوسری طرف مشرقی ایشیاء میں چین اور اس کے قرب و جوار میں چنگیز خان نے ایک انتہائی طاقت ور حکومت قائم کر لی تھی۔

خوارزم شاہ کی شان و شوکت کا ذکر سن کر چنگیز خان نے اس کو بیش قیمت تحائف کے ساتھ ایک خیر سگالی کا خط بھیجا جس میں دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات بڑھانے کی درخواست کی گئی تھی۔

خوارزم شاہ نے قاصدوں سے پوچھا کہ کیا واقعی چنگیز خان نے چین کو فتح کر لیا ہے؟ قاصدوں نے عرض کی کہ ہاں یہ صحیح ہے۔

''کیا اس کی فوجیں میری فوجوں کی طرح کثیر ہیں؟'' شاہ نے پھر سوال کیا۔

قاصد جو کہ مسلمان تھے انہوں نے اس وقت کے دستور کے مطابق بڑی مصلحت بینی سے کہا کہ چنگیز خان کے لشکر کا اور اس کے لشکر کا کوئی مقابلہ نہیں۔ شاہ مطمئن ہو گیا اور تحفوں کو قبول کر لیا۔ اس عرصہ میں چنگیز خان کی شہرت دوسرے مسلم ملکوں تک پہنچی۔ لوگوں نے خلیفہ بغداد، جو کہ خوارزم شاہ سے ڈرتا تھا اور صرف نام کا خلیفہ رہ گیا تھا، کو سمجھایا کہ وہ چنگیز خان سے خوارزم شاہ کے خلاف مدد طلب کرے۔ چنانچہ خلیفہ کے قاصد مدد کیلئے چنگیز خان کے دربار میں پہنچ گیا۔

چنگیز خان نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی کیونکہ اس نے بڑی منت سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اس لیے خان پر اسکا اچھا اثر نہیں ہوا اور پھر خوارزم شاہ سے تجارتی معاہدہ بھی تھا۔ اس دوران خوارزم شاہ کے ایک سرحدی علاقے کے قلعہ دار نے چنگیز خان کے علاقے قراقورم کے کئی سو تاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کر لیا۔ قلعہ دار نے اپنے آقا کو یہ اطلاع بھیجی کہ تاجروں میں کئی جاسوس تھے۔ بہت ممکن ہے کہ حقیقت بھی یہی ہو۔

خوارزم شاہ نے بنا سمجھے بوجھے قلعہ دار کو حکم بھیجا کہ تاجروں کو قتل کر دیا جائے

چنانچہ تمام تاجر قتل کر دیئے گئے۔ جب چنگیز خان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے احتجاج کرنے کیلئے شاہ کے پاس قاصد بھیجے۔ محمد خوارزم شاہ کو یہ ہی سوجھی کہ قاصدوں کے امیر کو قتل کر دے اور باقیوں کی داڑھیاں جلا دے۔

جب اس کی سفارت کے باقی ماندہ لوگ چنگیز خان کے پاس پہنچے تو اس نے بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا اور خوارزم شاہ کو یہ پیغام بھیجا۔ ''تو نے جنگ کا انتخاب کیا ہے اب جو ہونا ہے وہ ہو گا... اور کیا ہو گا؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف خدا کو معلوم ہے۔'' اس کے بعد جو کچھ ہوا، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں۔ چنگیز خان کی دو لاکھ فوج نے تقریباً دو ہزار میل کا برفانی علاقوں کا فاصلہ طے کر کے خوارزم شاہ کی 4 لاکھ فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔ وہ جس طرف گئے پورے پورے شہروں کی تمام آبادی کو ختم کر دیا۔ لاکھوں لوگوں کو قتل کیا۔ شہروں کو آگ لگا دی۔ عورتوں کی عصمتیں ان کے قریبی رشتہ داروں کے سامنے لوٹی گئیں۔ مسجدوں کو ڈھا دیا گیا اور قرآن شریف کو گھوڑوں کے پیروں تلے روندہ گیا۔ مسلمان حیران تھے کہ ان خانہ بدوشوں پر آسمان سے آگ کیوں نہیں برس رہی ہے۔ جب کچھ نہیں ہو سکا تو اس زمانے کے مسلمان اولیاء اور علمائے کرام نے لوگوں کو یہ پیغام سنایا کہ یہ ان کو ان کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔

خوارزم شاہ بھاگ کر ایک گاؤں میں اس طرح مرا کہ اس کے ایک دوست نے اپنی قمیض اس کے کفن کے لیے دی۔

اس طرح مسلمانوں کے عظیم ترین بادشاہ نے دنیا کی عظیم الشان سلطنت کو تباہ و برباد کروایا اور لاکھوں لوگوں کو قتل و غارت کروایا۔ صرف معمولی غلطی کی وجہ سے۔

آیئے قوموں کی غلطیوں کے کچھ اور واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جرمن اور جاپان قوموں کی غلطی

دوسری جنگ عظیم جرمن قوم نے ہٹلر کی قیادت میں شروع کی تھی۔ یہ 1939 کی بات ہے۔

جرمن قوم کو اس جنگ کی طرف مائل کرنے کے لیے ہٹلر نے ایک کتاب ''میری جدوجہد'' لکھی تھی۔ اس کتاب میں اس نے قوموں کو تین گروہ میں تقسیم کیا تھا- سب سے اعلیٰ قوم جرمن تھی- اس کے بعد جاپانی قوم- جبکہ یہودی اور حبشی تہذیب و ثقافت کو برباد کرنے والے گروہ میں شامل تھے- اس کا خیال تھا کہ جرمن قوم کیونکہ پیدائشی لحاظ سے اعلیٰ نسل ہے اس لیے اس کو دنیا کی دوسری نسلوں پر حکمران رہنا چاہئے۔

ہٹلر ایک آمر (Dictator) تھا اور اپنے دور حکومت میں دوسری جنگِ عظیم سے پہلے ہی اپنے ہزاروں مخالفوں کو قتل کروا چکا تھا۔ اس کے دنیا پر حکومت کرنے کے خواب پر زیادہ تعجب نہیں ہوتا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ ایک عظیم قوم اور اس کے دوست اس کتاب کے مجنونانہ افکار کو عملی لباس پہنانے کے لیے دل و جان سے تیار بھی ہو گئے۔ دوسری عالمی جنگ تک صرف جرمنی میں اس کتاب کی پچاس لاکھ جلدیں بِک چکی تھیں۔ ہر جوڑے کو شادی کے موقع پر یہ کتاب تحفے میں دی جاتی تھی۔

چنانچہ یہ صرف ہٹلر ہی نہیں تھا جو دنیا پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ جرمنی کے کروڑوں لوگ اس کے ساتھ تھے اور چونکہ جاپان کے لوگ بھی جرمنی کے ساتھ ملکر دنیا پر قبضہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے بھی ہٹلر کا ساتھ دیا۔

جرمنی، جاپان اور اس کی دوسری اتحادی قوموں کو اس جنگ کی کیا قیمت ادا کرنا پڑی؟

تقریباً پانچ کروڑ (55 ملین) سے زیادہ لوگ اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ 35 ملین کے قریب زخمی ہوئے۔ زیادہ تر لوگ جرمنی ہی کے مرے۔ ظاہر ہے اس قوم کو تو اس کی قیمت ادا کرنا ہی تھی۔ اس کے علاوہ جاپان بھی ایٹم بم گرنے کی وجہ سے بری طرح تباہ ہو گیا۔

اب اگر پیچھے مڑ کر تاریخ کو دیکھیں تو اس بات پر یقین نہیں آتا کہ صرف ایک

شخص پانچ کروڑ سے زیادہ لوگوں کی موت کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔

اور ہم کیا صرف ہٹلر کو ہی سارا الزام دے سکتے ہیں؟ کیا جرمن اور جاپان کی قومیں اس جرم میں ہٹلر کے برابر کی شریک نہیں تھیں؟

سائنس کی ترقی جونہیں ہوسکی!

سائنس کا آغاز Ionia اور یونان کی وادیوں میں 600 سے 400 قبل مسیح میں ہوا۔ Ionia کے پہلے یا دنیا کے پہلے سائنسدان کا نام Thales تھا۔ آج کل کے سائنسدانوں کی طرح Thales کا خیال تھا کہ دنیا نیچر میں مادی عناصر کے ملاپ سے بنی ہے۔ Thales پہلا آدمی تھا جس نے سائنسی تجربات شروع کئے۔ ایک عمودی چھڑی کے بڑھتے اور گھٹتے سائے سے اس نے سال اور موسموں کی لمبائی معلوم کر لی۔ اس زمانے کے ایک اور سائنسدان Anaxagoras نے زندہ چیزوں کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حیات پانی اور کیچڑ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور انسان ایک بالکل سادہ سی شکل سے ارتقاء کر کے یہاں تک پہنچا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے کہا کہ چاند، سورج کی منعکس (Reflected) روشنی سے چمکتا ہے۔

456 قبل مسیح میں ایک یونانی سائنسدان Empedoclas نے تجربات کر کے ہوا کی موجودگی کا پتہ چلایا۔ 430 قبل مسیح میں ایک اور سائنسدان ڈیموکریٹس (Democritus) نے کہا تھا کہ تمام چیزیں ایٹم سے بنی ہیں۔

600 برس قبل مسیح میں فیثا غورث انسانی تاریخ کا وہ پہلا آدمی تھا جس نے کہا کہ زمین گول ہے۔ یہ بھی قبل مسیح ہی کی بات ہے کہ جب افلاطون اپنے مدرسے میں لوگوں کو ریاضی اور فلسفہ سکھایا کرتا تھا اور کچھ لوگوں نے تحقیق اور تجربات سے یہ دریافت کر لیا تھا کہ زمین ایک سیارہ ہے۔ Aristarchus وہ پہلا آدمی ہے جس نے 300 قبل مسیح میں یہ کہا تھا کہ زمین کی بجائے سورج پورے نظام شمسی کا مرکز ہے اور تمام سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا تھا کہ سورج زمین سے بہت بڑا اور بہت دور ہے۔ اس نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ زمین اپنے مرکز پر دن میں ایک بار گردش کرتی ہے اور سورج کے گرد ایک سال میں۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اس زمانے میں لوگوں نے سینکڑوں بنیادی حقائق دریافت کر لیے تھے تو پھر آخر کیا وجہ تھی کہ اگلے 1000 برسوں میں سائنس نے ترقی نہیں کی۔

اس کی کئی وجوہات ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ افلاطون کے زمانے میں لوگ اس قابل تھے کہ وہ اچھی مشینیں وغیرہ ایجاد کر سکتے تھے مگر انہوں نے اس لیے نہیں کیں کیونکہ ان کو غلام میسر تھے۔ جب غلام محنت کا کام کر سکتے تھے تو مشینوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ فیثاغورث اور اس کے ساتھیوں نے اپنے علم کو انسان کے اجتماعی شعور کی ترقی کیلئے استعمال کرنے کی بجائے اسے ایک پراسرار علم بنا دیا۔

یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں غیر روایتی خیالات کو برداشت کرنے کی روایت دم توڑنے لگی اور تنگ نظر مذہب پرستی کا دور شروع ہو گیا۔ مثلاً Anaxagoras کے زمانے میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ سورج اور چاند دیوتا ہیں۔ جب سائنسدان Anaxagoras نے کہا کہ چاند ایک حادثے سے بنا ہے اور سورج ایک سرخ گرم پتھر ہے جو بہت دور آسمان میں ہے تو اس پر ان ناپاک خیالات اور مذہب کا تقدس مجروح کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا اور اس طرح لوگوں کو ان کے نئے خیالات کے جرم میں سزائیں دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس زمانے کے سائنسدانوں اور عالموں نے سیاسی، معاشی اور مذہبی نظریات کو سنجیدگی سے چیلنج نہیں کیا۔ سائنس اور علم عام طور پر چند مخصوص لوگوں کا ذاتی اثاثہ تھے۔ سائنس عام لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی۔لہٰذا سائنس پھیلنے کے بجائے ختم ہو گئی۔

اسکندریہ کی لائبریری اور اسکا انجام

کیا آپ کو معلوم ہے کہ سائنس اور علوم نے کہاں پرورش پائی؟ ذہانت کہاں پروان چڑھی؟

اسکندریہ کی لائبریری میں جہاں انسانوں نے پہلی بار سنجیدگی اور باقاعدگی کے ساتھ دنیا کے علوم جمع کئے۔

سکندر اعظم کے تعمیر کئے ہوئے شہر اسکندریہ کے عروج کا دور تقریباً 6 سو سال کا ہے جو تین سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔

اسکندریہ کسی زمانے میں ایک عظیم الشان شہر تھا جسکی آبادی حیرت انگیز طور پر مختلف قوموں پر مشتمل تھی۔ سکندر اعظم اور اس کے بعد کے یونانی بادشاہ علم کے بارے میں سنجیدہ تھے اور صدیوں تک انہوں نے علم کی سرپرستی کی اور لائبریریوں میں اس دور کے بہترین دماغوں کے لیے کام کرنے کی فضا قائم رکھی۔ اسکندریہ کی لائبریری میں دس بڑے تحقیقی ہال تھے اور ہر ہال ایک ایک مضمون کیلئے مخصوص تھا۔ لائبریری کی جان اس کی کتابوں کا مجموعہ تھی۔ اس کے منتظمین نے تمام دنیا کے علوم اور زبانوں کو کھنگال دیا تھا۔ وہ لائبریریاں اور کتابیں خریدنے کیلئے ایجنٹوں کو دوسرے ممالک بھیجتے تھے۔ اسکندریہ کی بندرگاہ پر جو جہاز لنگر انداز ہوتے تھے پولیس ان کی تلاشی لیتی تھی، منشیات کے لیے نہیں، کتابوں کے لیے۔ ان سے کتابیں ادھار لے لی جاتیں اور ان کی نقول تیار کر کے واپس کر دی جاتیں۔ اندازہ ہے کہ عروج کے زمانے میں اس لائبریری میں تقریباً 5 لاکھ کتابیں تھیں۔

یہاں دنیا کا وہ عظیم ماہر فلکیات تھا جس نے کہکشاؤں کا نقشہ بنایا اور ستاروں کی چمک کا حساب لگایا۔ یہیں جیومیٹری کا نظام بنایا گیا، زبان اور لسانیات کے قواعد وضع کئے گئے، سب سے پہلے یہ ثابت کیا گیا کہ عقل کا تعلق دماغ سے ہے دل سے نہیں۔ روبوٹ پر دنیا کی پہلی کتاب بھی یہیں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ یہیں پر وہ کتاب موجود تھی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ زمین، سورج کے گرد گردش کرنے والے سیاروں میں سے

ایک ہے۔ یہ ان حقائق میں سے ہیں جنہیں دوبارہ دریافت کرنے کے لیے ہمیں تقریباً دو ہزار سال انتظار کرنا پڑا۔

ایک اہم بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں اسکندریہ کی لائبریری میں 5 لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں، سائنس عام لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی۔علم نے لوگوں کی ذلت اور مایوسی ختم نہیں کی اور جب اسکندریہ کی لائبریری کو آگ لگانے کیلئے ایک گروہ آیا تو اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

اس لائبریری کے خاتمے کی کہانی کچھ اس طرح کی ہے۔ اس میں کام کرنے والی آخری سائنس دان کی کہانی۔

ہائی پیشیا Hypatia ایک خوبصورت عورت ہی نہیں تھی۔ وہ ایک ریاضی دان، ماہر فلکیات اور طبیعات داں ہونے کے علاوہ افلاطون اسکول کی سربراہ بھی تھی۔ کسی ایک انسان کا اتنے علوم میں ماہر ہونا حیرت انگیز بات ہے۔ اُس زمانے کا اسکندریہ جو کہ ایک لمبے عرصے سے رومیوں کے زیر اقتدار تھا بہت سے تضادات میں گرفتار تھا۔ غلامی کا کینسر سوسائٹی کو کھا رہا تھا اور عیسائی کلیسا اپنی طاقت بڑھا رہا تھا۔ اسکندریہ کا آرچ بشپ ہائی پیشیا سے اس لیے نفرت کرتا تھا کیونکہ ہائی پیشیا کے رومن گورنر سے اچھے تعلقات تھے اس لیے بھی کہ وہ سائنس اور علم کی علامت تھی۔ جو کہ شروع شروع میں چرچ سے منسوب کئے جاتے تھے۔ اپنی ذات کو خطرہ ہونے کے باوجود ہائی پیشیا نے اپنا کام جاری رکھا اور آخر کار 415ء میں ایک دن کام پر جاتے ہوئے آرچ بشپ Cyril کے **m** وں (Followers) کے ایک گروہ نے اس پر حملہ کیا اور اسے مارنے کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔ اس کی تحقیقات کو برباد کر دیا گیا اور اسے بھلا دیا گیا۔ اور آرچ بشپ Cyril سینٹ (Saint) بن گیا۔ ہائی پیشیا کی موت کے ایک سال بعد آخر کار اس کی لائبریری کی باقی کتابیں بھی تباہ کر دی گئیں۔ کیا آپ اس ہونے والے نقصان کا اندازہ کر سکتے ہیں؟ اگر وہ تمام دریافتیں اور علوم کو استعمال میں لایا جاتا تو آج دنیا کتنی مختلف ہوتی۔ شاید 500 سال پہلے ہوائی جہاز اور کمپیوٹر ایجاد ہو چکا ہوتا اور میڈیکل سائنس میں ترقی ہونے کی وجہ سے اربوں لوگ دکھ اور تکلیف سے بچ جاتے۔ شاید آج انسان ستاروں تک پہنچ چکا ہوتا اور سینکڑوں سال زندہ رہنے کا گُر جان لیتا۔

سائنس اور **Å** لک (Catholic) کلیسا پندرھویں صدی عیسوی میں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے سائنسی علوم کا بہت سا حصہ دو ہزار برس قبل دریافت ہو چکا تھا۔ اس کے ایک ہزار سال بعد تک سائنس نے کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کی۔ انسانی معاشرہ سائنسی علوم کے معاملے میں جمود کا شکار رہا۔لوگ مذہبی عقائد کو سائنسی تحقیق پر ترجیح دیتے رہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً سولہویں صدی عیسوی میں کیا ہوا جب حقائق دوبارہ دریافت کئے گئے۔

آیئے پہلے کچھ پس منظر (Background) کا مطالعہ کریں۔

انسان کے لیے ابتدائی زمانے سے آسمان کا نظارہ مسحور کن رہا ہے۔ سورج، چاند، سیاروں اور ستاروں کی گردش، سورج کا طلوع و غروب، چاند کا بڑھنا اور گھٹنا، موسموں کا بدلنا، یہ تمام چیزیں انسانوں کی روزانہ زندگی پر اثر ڈالتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع زمانے سے لوگ افسانوں، سائنس، مذہب کے ذریعہ ان باتوں کی وضاحت کرتے رہے ہیں۔

مصر کے ایک صاحبِ علم کلاڈیس بطلیموس نے تقریباً 150ء کے لگ بھگ، اپنی معلومات کو جامع نظریات کی شکل میں پیش کیا۔ یہ نظریات تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک انسانی قلوب پر حاوی رہے ہیں اور انہیں دنیا بھر میں کائنات کا صحیح تصور مانا جاتا تھا۔ بطلیموس کے نظریئے کی بنیاد یہ تھی کہ زمین اپنی جگہ پر قائم ہے اور غیر متحرک ہے۔ یہ کائنات کے مرکز میں واقع ہے اور تمام اجرامِ فلکی جن میں سورج اور ستارے بھی شامل ہیں، زمین کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

دو وجوہات سے بطلیموس کے نظریات کو عام طور سے قبول کر لیا گیا تھا اور یہ دونوں وجوہات فطرت انسانی کے مطابق تھیں۔

ایک وجہ یہ تھی کہ یہ نظام طبعی مظاہر پر مبنی تھا۔ یعنی جیسا کہ لوگوں کو نظر آتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس سے انسانی خود پرستی کو تقویت پہنچتی تھی۔ یعنی یہ خیال بہت

مسرت دیتا تھا کہ زمین اجرامِ فلکی کا مرکز ہے۔ تمام سیارے اور ستارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ گویا پوری کائنات صرف انسان کیلئے بنی ہے۔

ان خوبصورت تصورات کا تیا پانچا سولہویں عیسوی میں نکولاس کوپرنکس نے کیا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب یورپ میں ذہنی بیداری کا سب سے بڑا دور شروع ہوا۔

کوپرنکس نے اپنی کتاب ''دورہ اجرامِ فلکی'' جو کہ 1545 میں شائع ہوئی، تفصیل سے زمین، سورج، چاند اور دوسرے سیاروں کی گردش کا ذکر کیا ہے اور موسموں پر بحث کی ہے۔ اس نے بتایا کہ دوسرے سیاروں کی طرح زمین بھی سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔

یہ نظریات اس زمانے کے لوگوں کے لیے ایک بم کے دھماکے کی طرح تھے۔

اس زمانے میں پوپ پال سوم کا اقتدار تھا اور یہ نظریات چرچ کے نظریات سے بالکل مختلف تھے۔

کوپرنکس کو اندازہ تھا کہ اس کتاب کی وجہ سے اس کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لیے اس نے اس کتاب کو 36 سال تک چھپا کر رکھا تھا اور بالآخر علم دوست احباب کے اصرار پر یہ کتاب شائع کی تھی۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے جن کے نظریات کے خلاف یہ کتاب تھی، کوپرنکس اور اس کے ساتھی سائنسدانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

یونیورسٹی کے طلباء نے اس کتاب خانے پر حملہ کیا جس میں یہ کتاب چھپ رہی تھی۔ ایک تھیٹر کمپنی نے جو مختلف شہروں کا دورہ کر رہی تھی، کوپرنکس کا ایک مزاحیہ ڈرامہ بنا کر خوب مذاق اڑایا۔ اس ڈرامے میں دکھایا گیا تھا کہ کوپرنکس نے اپنی روح شیطان کے حوالے کر دی ہے۔ Åلک (Catholic) چرچ اس زمانے میں دوسرے معاملے میں الجھا ہوا تھا اس لیے اس کتاب پر فوراً توجہ نہیں دی۔ مگر دوسرے اصلاحِ مذہب کے دعوے داروں نے کوپرنکس پر سخت نکتہ چینی کی۔ مثلاً مارٹن لوتھر نے ایک موقع پر کہا تھا، ''یہ نیا ہیئت دان ہے جو ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آفتاب، چاند اور افلاک نہیں، بلکہ زمین گھومتی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص گاڑی یا جہاز میں بیٹھا ہو اور سمجھ لے کہ میں تو ساکن ہوں۔ البتہ زمین اور اردگرد کے درخت چل رہے ہیں۔ لیکن آج کل ایسے ہی شعبدے رواج پا گئے ہیں۔ جو شخص صاحب عقل و دانش بننا چاہتا ہے اس کے لیے لازم

ہے کہ کوئی نئی چیز پیدا کرے۔ چونکہ وہ اس کی ہوتی ہے اس لیے اسے سب سے بہتر قرار دیتا ہے۔ یہ احمق پورے علم ہیئت کا تختہ الٹ دینے کے درپے ہے۔ مقدس نوشتوں (کتابوں) میں بتایا گیا ہے کہ زمین نہیں بلکہ آفتاب تھا جسے یوشع نے ٹھہر جانے کا حکم دیا تھا۔''

لوتھر کے ایک وفادار شاگرد نے کوپرنکس کے متعلق حقارت سے کہا، ''اس شخص نے آفتاب کو ٹھہرا دیا اور زمین کو حرکت میں لے آیا۔''

جان کیلون نے بھی کوپرنکس کی بڑے سخت مذمت کی۔ اس نے زبور سے یہ آیت پیش کی:

''اس لیے جہان قائم ہے اور اسے جنبش نہیں۔''

پھر جوش کے عالم میں کہا ''کون ہے جو کسی کوپرنکس کی دریافت کو روح القدس پر فوقیت دینے کی جرأت کرے۔''

1615 تک Åلک (Catholic) کلیسا نے کوپرنکس کی کتاب کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا پھر یہ کیا کہ جو لوگ کوپرنکس کے نظریات کے حامی بن گئے، ان کے خلاف کارروائیاں کیں۔ کوپرنکس اصول کو اس طرح مردود قرار دیا گیا :-

''پہلا اصول یہ ہے کہ آفتاب مرکز ہے اور وہ زمین کے گرد نہیں گھومتا۔ یہ اصول سراسر احمقانہ، لغو، مذہبی اعتبار سے جھوٹا اور مرتدانہ ہے۔ کیونکہ مقدس نوشتوں کے بالکل خلاف ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے اور اسے مرکزی حیثیت حاصل نہیں۔ یہ بھی لغو، فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے غلط اور مذہبی نقطہ نگاہ سے کم از کم سچے عقیدے کے خلاف ہے۔''

اگلے سال 1616 میں کوپرنکس کی تمام تصانیف ممنوع الاشاعت کتابوں کی فہرست میں شامل کر دی گئیں۔ واضح رہے کہ Åلک (Catholic) کلیسا کے مطابق ممنوع الاشاعت کتابوں کو پڑھنے یا رکھنے کی سزا موت تھی۔

دو سو سال تک کوپرنکس کی کتابیں اس فہرست میں شامل رہیں۔ آخر 1835 میں انہیں فہرست سے نکالا گیا۔ 1996 میں Åلک (Catholic) کلیسا نے کوپرنکس سے اپنے رویئے کی معافی مانگی۔ تقریباً 380 سال کے بعد۔

گلیلیو اور برونو کو جنہوں نے کوپرنیکی نظام کو قبول کر لیا تھا بڑے دردناک حالات سے گزرنا پڑا۔ برونو نے کوپرنکس کی پیروی کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ ممکن ہے کہ دوسری دنیائیں بھی ہماری دنیا کی طرح آباد ہوں اور ان کے باشندے عقل وفکر میں ہمارے برابر یا ہم سے بہتر ہوں۔ ان اقوال کی بنا پر ''محکمہ تفتیش مذہبی'' نے برونو کے خلاف مقدمہ چلا کر اسے مجرم قرار دیا اور فروری 1600 میں اسے نذر آتش کر دیا ہے۔

گلیلیو پہلا شخص ہے جس نے اجرام فلکی کے معا آ کے لیے دوربین کا استعمال کیا، اس کے ساتھ بھی کچھ ہی بہتر سلوک ہوا۔ محکمہ تفتیش مذہبی نے اس کے لیے اذیت دے کر مارنے کی سزا تجویز کی۔ گلیلیو نے دوزانو ہو کر کوپرنیکی نظریات سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور اسے باقی عمر کے لیے قید کر دیا گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ علمائے مذہب کو تو کوپرنیکی نظریہ قبول کرنے میں تامل تھا ہی، فلسفیوں (Philisophers) اور سائنس دانوں کی روش بھی ان سے مختلف نہ تھی۔

یورپ اور امریکہ کی مشہور یونیورسٹیوں میں جن میں ہارورڈ اور Yale شامل ہیں، کافی مدت تک بطلیموس اور کوپرنیکی نظام بیک وقت پڑھائے جاتے رہے۔ اگرچہ آہستہ آہستہ ہی سہی مگر کوپرنیکی نظریات قطعی طور پر تسلیم کر لیے گئے۔ جیار ڈانو برونو (Giordano Bruno)، ٹیشو براہی (Tycho Brahe)، جوہن کیپلر (Johann Kepler)، گلیلیو گلیلی (Galileo Galleli) اور آئزک نیوٹن جیسے سائنس دانوں نے تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھا اور ناقابلِ تردید شہادتوں کے انبار لگا دیئے۔ آج کوپرنکس کا شمار ان چند لوگوں میں سے ہوتا ہے جنہوں نے اس دنیا کو بدل ڈالا۔

سائنس اور مسلمانوں کا فلسفہ

David S. Landes نے اپنی کتاب ''قوموں کی دولت اور غربت (The Wealth and Poverty of Nations) میں اسلام اور سائنس کے حوالے سے جو لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے:

''اسلام (مسلمانوں) نے شروع میں علم سیکھا اور لوگوں کو فتح کرنے کے طریقے دریافت کئے اور ان کی حکومت یورپ سے لے کر ہندوستان تک پہنچ گئی۔ تقریباً 750 سے 1100 تک اسلامی سائنس اور ٹیکنالوجی یورپ کی سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہت آگے تھی۔

یورپ نے جسے اپنے ورثہ (Heritage) کو واپس لینے کی ضرورت تھی۔ ایسا کرنے کے لیے کسی حد تک مسلمانوں کی مدد لی۔ اسلام یورپ کا ٹیچر تھا۔

اس کے بعد کوئی چیز غلط ہوگئی۔ اسلامی سائنس جس کو کٹر مذہبی لوگوں نے بدعت قرار دیا، علم الٰہی اور علم معرفت کے زیر اثر روحانیت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی گئی۔

اسلامی مجاہدین کے مطابق، حق ظاہر ہو چکا تھا اور جو چیز حق کی طرف لے جاتی تھی وہ کام کی تھی اور اس کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ سب کچھ خرابی اور فریب تھا۔

تاریخ دان ابنِ خلدون مذہبی معاملات میں قدامت پسند ہونے کے باوجود مسلمانوں کی سیکھنے سے عداوت کی وجہ سے مایوس تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''جب مسلمانوں نے 637 سے 642 کے دوران ایران (Persia) کو فتح کیا تو انہیں کافی تعداد میں سائنسی کتابیں ہاتھ لگیں۔ ان کتابوں کو ضائع کر دیا گیا یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر ان میں صحیح راہ نمائی ہے تو خدا نے ہمیں بہتر راہ نمائی عطا کی ہے۔ اگر ان میں خرابی ہے تو خدا نے ہمیں اس سے بچا لیا ہے۔''

یاد رہے کہ عیسائیت کے برخلاف اسلام مذہب اور سیکولر کو الگ الگ نہیں کرتا۔ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

ایک مثالی حکومت مذہبی حکومت ہے اگر ایسا نہ بھی ہو تو ایک اچھا حکمران روح

اور دماغ کے معاملات کو مذہبی ماہرین کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ سائنس دانوں کیلئے سخت صورت حال ہے۔ جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے اس میں ہونے والی تبدیلی اور ترقی کا اندازہ اسلام (مسلمانوں) کو تھا۔مسلمانوں نے کاغذ کا استعمال کیا، نئ فصلیں مثلاً کافی اور شکر کو استعمال کیا۔ تُرکوں نے توپوں اور گھڑیوں کا استعمال سیکھا (مگر ان کو بنانے کا نہیں)۔

مگر اس طرح کی زیادہ تر چیزیں باہر ہی سے آئیں اور باہر ہی پر انحصار کرتی رہیں۔ مقامی ایجادات ختم ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ اپنے بہترین دور میں بھی (750 سے 1100 عیسوی) غور وفکر اور سوچ و بچار نے عملی راستہ اختیار نہیں کیا۔تقریباً 500 سال تک دنیا کے عظیم سائنس دانوں نے عربی میں لکھا۔مگر (دنیا میں) پھلنے پھولنے والی سائنس نے اسلام کی ٹیکنالوجی میں ہونے والی سُست ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔''

References:

In 885, all professional copyists in Baghdad were required to swear an oath not to copy books of philosophy. On the conflicts of Muslim science and Islamic doctrine, see Hoodbhoy, Islam and science, especially chapters. 9 and 10.

Ibn Khaldun, the Muqaddima: An introduction to History (London: Routledge and Kegan Paul, 1978), p. 373, cited in Hoodbhoy, Islam and Science, pp. 103-04.

White, Medieval religion and Technology, p. 227

علماء اور سائنس

سائنس اور سیکولر علوم کے بارے میں ہمارے علماء کا جو رویہ رہا ہے اس کے بارے میں بین الاقوامی طور پر مشہور تاریخ دان ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب المیہ تاریخ میں اس طرح لکھتے ہیں:-

''ہندوستان میں انگریزی اقتدار نے یہاں کے معاشرے کی ہیئت و ساخت میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں کیں۔ سیاسی و ثقافتی اور معاشی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ سائنسی اور فنی ایجادات نے مذہبی عقائد اور توہمات پر کاری ضربیں لگائیں اور مذہبی رجعت پرستی کو کمزور کیا۔ اس عمل میں یورپی اور ہندوستانی معاشروں میں فرق نمایاں اور واضح رہا، کیونکہ یورپی معاشرہ سائنسی اور فنی ایجادات کے عمل کے نتیجے میں ذہنی طور پر آگے بڑھا اور معاشرے کی ترقی میں ہر فرد نے برابر کا حصہ لیا اور ان تمام ایجادات کو جو وقت کی ضرورت کے تحت عمل میں آئی تھیں انہیں نہ صرف ذہنی طور پر قبول کیا بلکہ یہ ان کی زندگی میں رچ بس گئیں اس کے مقابلے میں ہندوستان میں یہ ایجادات یورپ سے آئیں اور ایک ایسے معاشرے میں رائج ہوئیں جو ذہنی طور پر ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسلئے اس نے ہر نئی چیز کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا اور ان کو قبول کرتے ہوئے خوف و جھجک کا مظاہرہ کیا۔

مسلمان معاشرے میں خاص طور سے علماء کا طبقہ نئی سائنسی اور فنی ایجادات کا زبردست مخالف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا نظام تعلیم پرانی اور فرسودہ روایات پر قائم تھا اور ہر زمانے کی تبدیلیوں اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا گیا تھا۔ بنیادی طور پر مسلمان معاشرے میں جو نظام تعلیم رائج تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ صرف وہ مضامین پڑھائے جائیں جن سے عقائد اور ایمان سلامت رہے اور ایسے تمام مضامین، افکار و نظریات جو ذہن میں شک و شبہ پیدا کریں اور جن سے عقائد کے بارے میں سوالات پیدا ہوں انہیں قطعی طور پر نہ پڑھایا جائے۔ چنانچہ ابتداء ہی سے ہندوستان کے علماء فلسفے کے مخالف تھے، کیونکہ فلسفہ ذہن میں شک و شبہ پیدا کر کے ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اس لئے دیوبند کے سربراہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے فلسفے کو دیوبند کے نصاب میں نہیں رکھا اور سختی کے ساتھ اس بات کو کہا کہ جو میرا

شاگرد فلسفے سے شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور میرا شاگرد نہیں۔ دیوبند کا نصاب درس نظامی جو اٹھارھویں صدی میں تیار کیا گیا تھا۔ اور اسی کو بغیر تبدیلی کے پڑھایا جاتا تھا۔ اس نصاب کے اہم مضامین عربی صرف ونحو، منطق، حکمت، ریاضی، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث تھے۔

اس نصاب میں نہ تو اسلامی ملکوں کی تاریخ تھی، نہ ہندوستان کی تاریخ، نہ جغرافیہ، نہ سائنس کے علوم۔ مشیر الحق نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جدید سائنس پر کوئی زور نہیں دیا جاتا تھا، طالب علموں کو باقاعدہ کوئی جدید ہندوستانی یا یورپی زبانیں نہیں پڑھائی جاتی تھیں۔ انگریزی بھی نہیں جو ہندوستان کی دوسری زبان بن چکی تھی۔ عالمی تاریخ کو پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ ہی ہندوستان کی تاریخ پڑھائی جاتی تھی، یا جغرافیہ اور دوسرے سماجی علوم۔ ایسی کوئی کتاب نصاب میں نہیں تھی جو غیر مسلموں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہو۔''

دیوبند، فرنگی محل اور مظاہر العلوم اور ان جیسے مدرسوں نے جن طالب علموں کو پیدا کیا وہ جدید تعلیم، جدید روایات اور وقت کی تبدیلیوں سے قطعی ناواقف تھے اور ذہنی طور پر وہ عہد وسطی کی پیداوار تھے۔ نئی سیاسی و سماجی اور سائنسی وفنی ایجادات اور تبدیلیوں سے نہ صرف ناواقف تھے بلکہ اس عمل کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لئے یہ نہ کوئی پیشہ اختیار کر سکتے تھے اور نہ کوئی ملازمت۔ ان کی جگہ صرف مدرسے اور مسجد میں تھی، اور اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے ان کی کوشش تھی کہ مذہبی ادارے قائم ہوتے رہیں، چندہ جمع ہوتا رہے اور لوگ مذہبی عقائد و توہمات سے چمٹے رہیں۔ اس لئے انہوں نے سائنس، آرٹ اور فن میں ہونے والی ہر نئی چیز کی مخالفت کی۔ اس کا اندازہ ان فتووں سے کیا جا سکتا ہے جو فتاویٰ دارالعلوم اور فتاویٰ رشیدیہ میں سائنسی ایجادات اور سماجی تبدیلیوں کے خلاف درج ہیں۔ مثلاً ہیٹ کا استعمال مسلمان کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ نصاریٰ کی نقل اتارتا ہے۔

تصویرکشی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: تصویرکشی شریعت اسلامیہ میں مطلقاً حرام ہے۔ خواہ قلم سے ہو یا فوٹوگرافی۔ جو تصویر محض زیب و زینت کے لئے رکھی جائے اگر وہ جاندار کی ہے تو ناجائز ہے لیکن اگر اسے کسی ذلت کی جگہ پر ڈال دیا جائے جیسے

جوتوں کے فرش پر یا ایسی ہی جگہ تو پھر جائز ہے۔طبی معلومات یا نقشہ جنگ کے لئے بھی مکمل تصویر رکھنا جائز نہیں۔طبی ضرورت کے لئے ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ تصویر رکھی جائے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا خواہ مجسمہ تصویر کی صورت میں ہو یا نقش و نگار کی صورت میں، خواہ قلم سے بنائی جائے یا پریس میں چھپوائی جائے یا کیمرے کے ذریعے تصویر لی جائے، یہ سب گناہ کبیرہ ہے۔ چار قسم کی تصویروں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ سرکٹی تصویر، وہ تصویر جو پامال اور ذلیل ہو، اتنی چھوٹی ہوں کہ اگر انہیں زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو پوری نظر نہ آئیں اور بچوں کی گڑیاں جو مکمل نہ ہوں۔

ایک سوال کے جواب میں کہ کیا جغرافیے کا ایسا نقشہ بنایا جا سکتا ہے کہ جس میں حیوانات، جمادات، نباتات اور دوسری معلومات کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں ہوں۔تو اس کے جواب میں فتویٰ دیا گیا کہ تصویر کشی مطلقاً حرام ہے اور اگر حیوانات کی تصویر بنائی جائے تو بغیر سر اور عضو کے ہو۔

کھیلوں کے بارے میں فتویٰ دیا گیا کہ کھیل خواہ گیند کا ہو یا دوسرا، اگر لہو لعب کی غرض سے ہو تو مکروہ، اگر تفریح اور تھکاوٹ دور کرنے کے لئے ہو تو جائز ہے، مگر فٹ بال کھیلنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نیکر پہن کر کھیلا جاتا ہے۔ وہ ان تمام ایسے کھیلوں کو جن میں انگریزی وضع کو اختیار کیا جاتا ہو یعنی لباس پہننا جس سے گھٹنے کھلے ہوں، اور جن کے کھیلنے سے ضروریات اسلام یعنی نماز وغیرہ میں خلل پڑتا ہو جائز نہیں۔

تھیٹر اور سینما کے بارے میں یہ جب یہ سوال کیا گیا کہ: ''مسلمان کا تھیٹر، بائسکوپ جانا، تماشا دیکھنا، اس میں کام کرنا یعنی گانا بجانا، ناچنا، صورت شکل لباس کا تبدیل کرنا عورتوں کا لباس پہننا، اس میں شریک ہونا، اس میں ملازمت کرنا اور اس کی ترغیب دینا اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تو اسکے جواب میں فتویٰ دیا گیا کہ سخت گناہ اور بہت سے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے اور جو شخص لوگوں کو اس کی طرف ترغیب دلاتا ہے وہ بہت بڑا فاسق ہے۔

ریڈیو کی ایجاد کے بعد اس کے سلسلے میں فتوے دیئے گئے ہیں۔ ان میں کہا گیا کہ جس ریڈیو میں گانا بجانا ہو اس میں کسی بھی طرح نہ قرآن پڑھنا جائز ہے اور نہ سننا۔

گراموفون سے تلاوت کا سننا ناجائز ہے۔

مختلف ملبوسات اور فیشن کی بھی مخالفت کی گئی مثلاً یہ کہ عورتوں کے لئے کھڑا جوتا پہننا ناجائز ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں بھی نئی سماجی و معاشی تبدیلیوں کے خلاف ایک ردعمل ملتا ہے۔ مثلاً منی آرڈر سے پیسے بھیجنے کو شریعت کے خلاف کہا گیا ہے۔ اور بینک میں پیسہ جمع کرانا چاہے سود پر ہو یا بغیر سود کے یہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔

ان فتووں کے علاوہ اس وقت کے علماء نے ہر اس چیز کی مخالفت کی جس سے سیاسی و سماجی اور معاشی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی اور جس نے پرانی روایات کو توڑا، اور قدیم نظام زندگی کو بدلا، مثلاً اسپیکر کا استعمال، ریل کا سفر، ہسپتالوں میں مریضوں کا داخلہ، نئی ادویات کا استعمال، یورپی طرز کا لباس، یورپی انداز میں کھانا اور ان کی عادات اختیار کرنا وغیرہ۔

لیکن سائنسی اور فنی ایجادات جو انسانی زندگی میں سہولتیں لے کر آئی تھیں وہ ان فتووں کے باوجود لوگوں میں مقبول ہوئیں اور زمانے کی ضرورت کے تحت ان کا استعمال بڑھتا گیا اور انہیں نہ صرف معاشرے نے قبول کیا بلکہ ان علماء کے طبقے نے بھی انہیں تسلیم کر لیا جو ابتداء میں اس کے مخالف تھے۔ ابتدائی دور میں ان سائنسی و فنی ایجادات کی مخالفت اور سماجی تبدیلیوں کی مزاحمت کی وجہ یہ تھی کہ علماء کا طبقہ ذہنی طور پر تبدیلی کے عمل سے ناواقف تھا اور ان کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ یہی صورت آج بھی ہے کہ وہ اپنے فرسودہ نظام تعلیم کی وجہ سے نئی تبدیلیوں اور ان کی ضرورت کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور ان کے لئے ہر نئی چیز مذہب کے خلاف ہوتی ہے لیکن اس کے استعمال کے بعد وہ اس کو آگے چل کر قبول کر لیتے ہیں۔ اس سے مذہبی توہمات و عقائد پر سائنس کی فتح واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔''

....

اوپر دیئے گئے نتائج وحقائق کو یہ بات اور مستحکم کرتی ہے کہ تمام اسلامی ممالک کی پچھلے 100 سالوں کی تمام ایجادات، اگر کوئی ہوئی ہیں، امریکہ کی صرف ایک ریاست نیو جرسی کی ایک سال کی ایجادات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

آج مسلمانوں کو اپنی اس فلاسفی کی کیا قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اسکا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان، جہاں ہر سال سینکڑوں لوگ مالی پریشانیوں کی وجہ سے خودکشی کر لیتے ہیں، ایک F16 طیارہ کو خریدنے کیلئے 50 ملین ڈالرز، تقریبا دو ارب ستر کروڑ روپے سے زیادہ قیمت ادا کرتا ہے۔ اور ہمارے پاس اپنی ایسی کوئی ٹیکنالوجی نہیں ہے جسکی ہم 100 ڈالرز بھی قیمت مانگ سکیں۔

سوالات

1 - فرض کریں کہ یہ 1920 ہے اور آپ اپنے والدین کے ساتھ ہندوستان میں رہتے ہیں - ہجرت کے فتوے کی وجہ سے آپ کے والد اپنا گھر بار بیچ کر پورے خاندان کے ساتھ افغانستان ہجرت کرجانا چاہتے ہیں - آپ میں مستقبل کو دیکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا خاندان افغانستان میں تباہ ہو جائے گا - آپ کیا کریں گے؟

2 - آپ بھارت کے صوبے اتر پردیش میں رہتے ہیں اور آس پاس کے گاؤں سے کوئی نہ کوئی بچہ غائب ہو جاتا ہے جس کی کھائی ہوئی لاش بعد میں ملتی ہے - آپ کو معلوم ہے کہ یہ بھیڑیوں کا کام ہے مگر کوئی آپ کی بات سننے کو تیار نہیں - آپ کیا کریں گے؟

3 - خوارزم شاہ چنگیز خان کے قاصد کو قتل کرنا چاہتا ہے - اس کے مشیروں نے اس کو یہی مشورہ دیا ہے - آپ کو معلوم ہے کہ اس قاصد کو قتل کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے گی - آپ خوارزم شاہ کو کیسے روکیں گے ؟

4 - آپ ایک جرمن گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں -آپ کے تمام رشتے دار اور ملک کے لوگ ہٹلر کے ساتھ مل کر دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں - کیا آپ ان کا ساتھ دیں گے؟ کیا آپ دوسرے لوگوں کو روکنے کی کوشش کریں گے؟ کس طرح ؟

5a- فرض کریں کہ یہ 1545ء ہے - آپ عیسائی ہیں اور ایک مذہبی جماعت کے سرگرم رکن ہیں - آپ کو آپ کا لیڈر آ کر بتاتا ہے کہ ایک کتاب خانے میں ایک ایسی سائنسی کتاب چھپ رہی ہے جس کی باتیں بائبل کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور وہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو اس کتاب خانے پر حملہ کرنے کے لئے کہتا ہے - آپ کیا کریں گے؟

5b- برونو کو زندہ جلانے کے لئے لے جایا جا رہا ہے - آپ کو معلوم ہے کہ کوپرنکس اور برونو کی باتیں چند سو سالوں کے بعد صحیح ثابت ہو جائیں گی مگر دوسرے تمام لوگوں کو پورا یقین ہے کہ برونو غلط ہے اور اسے موت کی سزا ملنی چاہیئے - آپ کیا کریں گے؟

6 - اگر آپ ایک ٹائم مشین میں بیٹھ کر ماضی میں جا سکتے ہوں تو آپ کن واقعات کو نہیں ہونے دیں گے؟ آپ کس طرح اس دنیا کو ماضی میں جا کر بدل سکتے ہیں؟

اس کتاب کے اس حصے میں ہم نے یہ دیکھا کہ کسی بھی فرد یا قوم کی سب سے اہم صلاحیت کیا ہے۔ اب ہمیں اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ اگر کسی قوم کو اس بات کا شعور نہ ہو کہ کونسا راستہ اس کو کامیابی کی طرف اور کونسا اس کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے تو وہ بہت تیزی کے ساتھ اپنے آپ کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

ہمیں یہ بھی اندازہ ہے کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہ کرنے کی وجہ سے نہایت تیزی کے ساتھ غربت اور پستی کی طرف جا رہے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا شمار دنیا کے غریب ترین لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ کرپشن اور ناانصافی میں بھی ان کا شمار سب سے آگے ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کو کیسے بدلا جائے؟

سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ ہمیں یعنی مسلمانوں کو اس دنیا کو دو گروہوں یعنی مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم کرنے کے بجائے اس طرح تقسیم کرنا چاہئے:

وہ گروہ جو انسانوں کی بہتری کیلئے کام کر رہا ہے اور وہ گروہ جو انسانوں کی بہتری کیلئے کام نہیں کر رہا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہونی چاہئے کہ انسانوں کی بہتری سے مراد اس دنیا میں انسانوں کی حالت کو بہتر بنانا ہے۔

اب مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس گروہ میں شامل ہونے کی کوشش کریں جو انسانوں کی بہتری کیلئے کام کر رہا ہے۔

اس کتاب کے اگلے حصے میں ہم ان رکاوٹوں کا تجزیہ کریں گے جو پاکستان کی ترقی میں حائل ہیں اور دوسری قوموں کی ترقی کی وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کی ترقی کیلئے ایک راستے کا نقشہ (Road Map) تیار کریں گے۔

حصہ سوم

پاکستانی قوم اور ترقی

Culture is a human invention. It is, I suggest, an agreement on how we will feel about different outcomes.

(ترجمہ- کلچر انسان کی ایک ایجاد ہے- یہ، میرا خیال ہے، ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہے کہ ہم کس طرح مختلف نتائج یا اثرات (outcomes) کے بارے میں محسوس کریں گے-)

Do Lunch or Be Lunch
by
Howard H. Stevenson

Sooner or later, cultures desperately need the individual who can call the status quo into question by seeing the world differently and not seeing the same cause-and-effect relationships as everybody else.

(ترجمہ- آج نہیں تو کل، کلچرز کو ایسے شخص کی سخت ضرورت پڑتی ہے جو موجودہ صورت حال کو چیلنج کرے، اس دنیا کو مختلف نقطہ نظر سے دیکھے اور وجوہات اور ان کے اثرات کے درمیان وہ تعلق نہیں دیکھے جو دوسرے لوگ دیکھتے ہیں-)

Do Lunch or Be Lunch
by
Howard H. Stevenson

پیٹ کا درد، آنکھوں کی دوا

ایک کسان پیٹ کے درد سے کراہتا ہوا ایک حکیم صاحب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا "حکیم صاحب خدا کیلئے میرے پیٹ کے درد کا کوئی علاج کیجئے میں تو تکلیف سے مرا جارہا ہوں-" حکیم صاحب نے اس کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا "تم نے آج کیا کھایا تھا؟" کسان بولا "جلی ہوئی روٹی کھائی تھی" حکیم صاحب نے ایک دوائی نکال کر اس کو دی اور کہا "اس کو صبح شام دن میں دو مرتبہ اپنی آنکھوں میں لگایا کرو-" کسان نے حیرانی سے کہا "حکیم صاحب درد مجھے پیٹ میں ہے اور آپ مجھے آنکھوں کی دوائی دے رہے ہیں، آخر کیوں؟" حکیم صاحب نے کہا "اس لئے کہ اصل مسئلہ تمہاری آنکھوں کا ہے-تمہیں جلی ہوئی روٹی نظر نہیں آتی- جب تمہیں جلی ہوئی روٹی نظر آنے لگے گی تو پیٹ کا درد پھر کبھی نہیں ہوگا -"

مرغی اور سونے کا انڈا

کسی گاؤں میں ایک بہت غریب کسان رہتا تھا- ایک دن وہ صبح سویرے اپنی پسندیدہ مرغی کے پاس گیا تو اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ مرغی کے پاس ایک سونے کا انڈا پڑا ہوا تھا- پہلے تو کسان کو یہ دیکھ کر یقین نہیں آیا مگر بعد میں جب اس نے چیک کرایا تو وہ سونے کا انڈا ہی تھا- دوسرے دن اس کو دوسرا انڈا ملا اور تیسرے دن تیسرا- اس طرح وہ مرغی روز ایک سونے کا انڈا دیتی تھی- کسان جلد ہی ایک بہت امیر آدمی بن گیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا- جہاں کسان امیر بنا وہیں وہ زیادہ لالچی بھی ہوتا گیا- وہ روز ایک انڈے کا انتظار کرنے کے بجائے تمام انڈے ایک ساتھ حاصل کرنا چاہتا تھا اور فوراً- چنانچہ ایک دن اس نے تمام انڈے ایک ساتھ حاصل کرنے کیلئے مرغی کو مار دیا- جب اس نے مرغی کا پیٹ چیر کر دیکھا تو اس کو وہاں کچھ نہیں ملا- ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہ ہمارے لئے سونے کا انڈا دینے والی ایک مرغی ہے اگر ہمیں صرف سونے کے انڈے کی فکر ہے اور ہم مرغی کا کوئی خیال نہیں کر رہے تو جلد ہی مرغی مرجائے گی اور ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا- اس طرح اگر ہم صرف مرغی کو کھلا پلا رہے ہیں اور ہمیں سونے کا انڈا بھی نہیں مل رہا تو ہم یہ بھی زیادہ عرصے تک نہیں کرسکتے- ہمیں اس میں ایسا توازن (Balance) پیدا کرنا ہے کہ مرغی بھی صحت مند رہے اور ہمیں سونے کا انڈا بھی ملتا رہے-

کسی بھی ملک کا شہری ہوتے ہوئے یا کسی کمپنی کا ملازم ہوتے ہوئے ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ہمارا ملک، ہمارا ادارہ یا کمپنی جہاں ہم کام کر رہے ہیں وہ صحت مند رہے اور ہمیں سونے کا انڈا دیتی رہے ہماری محنت کے صلے میں -

جہاں تک حکمرانوں اور مالکوں کا تعلق ہے تو ان کو یہ بات یاد رکھنی ہے کہ کسی بھی کمپنی، ادارے یا ملک کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کے لوگ ہوتے ہیں- اگر تم اپنے لوگوں کا خیال رکھو گے تو وہ تمہارے سرمائے کا خیال رکھیں گے- اگر تم اپنے ملازمین سے اچھا سلوک کروگے تو وہ تمہارے گاہک (Customers) سے اچھا سلوک کریں گے-

پاکستانیوں کا پیراڈائم (Paradigm)

پاکستانیوں کے پیراڈائم کو سمجھنے کیلئے ہم کچھ مثالوں پرغور کرتے ہیں۔ میرے ابو کے ایک دوست جنہیں میں شکیل چاچا کا فرضی نام دوں گا کچھ ہی عرصے پہلے ایک کمپنی کی ایک بہت اچھی پوسٹ سے Golden Shakehand لے کر ریٹائر ہوئے ہیں انہیں میں ذاتی طور پر بچپن سے جانتا ہوں انتہائی ایماندار اور محنتی آدمی ہیں، زندگی میں بہت محنت سے کام کیا اور کافی ترقی کی۔ میں ابھی کچھ ہی عرصے پہلے Nov.1999 میں پاکستان گیا ہوا تھا۔ اور مجھے تلاش تھی کچھ ایسے لوگوں کی جو پاکستان کو بہتر بنانے کیلئے رضاکارانہ طور پر کام کرسکیں۔ میری نظر میں شکیل چاچا تھے جن کے پاس صلاحیت، وقت اور پیسہ سب کچھ تھا۔ میں نے انہیں کال کی اور کہا کہ چاچا آج کل کراچی میں آوارہ کتوں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے، روز 30 سے 40 لوگوں کو کتے کاٹ رہے ہیں، ہسپتالوں میں دواؤں کا بھی مناسب انتظام نہیں ہے۔ آپ اس مسئلے پر کام کریں کہ آخر کیوں KMC والے کتوں کو نہیں مار رہے۔ اگر انہیں فنڈز کی ضرورت ہے تو میں دو لاکھ روپے تک دینے کو تیار ہوں۔ انہوں نے بڑے خلوص سے اس مسئلے پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ بھائی اب ہمارا دل کوئی کام کرنے کو نہیں چاہتا۔ ہم نے اپنی زندگی میں بہت کام کرلیا ہے۔ مزید گفتگو کے دوران یہ اندازہ ہوا کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتے ہیں۔ ایک مرتبہ حج کرچکے ہیں اور ایک اور مرتبہ کرنے کی بڑی تمنا ہے۔

اب آپ غور کیجئے کہ شکیل چاچا اور ان جیسے لوگوں کا پیراڈائم کیا ہے وہ کس طرح اس دنیا کو دیکھتے ہیں۔

میں ایک ایماندار اور محنتی آدمی ہوں۔ جو میرا فرض تھا وہ میں نے پورا کردیا اس ملک کیلئے اور اب مجھے اپنی آخرت کی فکر کرنی ہے۔

کچھ ہی دن پہلے اخبار میں پڑھا کہ ایک جماعت کے جلسے میں جب کشمیر میں ہونے والے ظلم وستم کا ذکر کیا گیا تو لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ایک ماں نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں اپنے تینوں لڑکوں کو کشمیر کے نام پر وقف کرتی ہوں۔

کیا اس ماں کو معلوم ہے کہ پاکستان کی جیلوں میں 62% عورتوں کی عصمت

لوٹ لی جاتی ہے (1)؟ کیا ان کی بے بسی کی داستانیں کشمیر میں ہونے والے ظلم وستم سے کم غم ناک ہیں؟ پاکستان میں ہزاروں نوجوان جنگ کی تربیت لے کر افغانستان اور کشمیر جہاد کیلئے جاتے ہیں۔ کیا انہیں یہ پتہ ہے کہ جاگیرداروں کی ذاتی جیلوں میں اس وقت بھی ہزاروں لوگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قید ہیں؟ ان کو مشکل سے ایک وقت کا کھانا دیا جاتا ہے، ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ان سے بیگار لی جاتی ہے اور ان کی عورتوں کی عصمتیں ان کے سامنے لوٹی جاتی ہیں۔ کیا ان ظالموں سے جہاد کرنے کا ثواب کشمیر اور افغانستان میں جہاد کرنے کے ثواب سے کم ہے؟

لاکھوں لوگوں کی ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اپنے تمام اضافی ذرائع تبلیغی دوروں پر لگاتی ہے- کیا انہیں معلوم ہے کہ 80 لاکھ پاکستانی بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں (2) اور ہمارے پاس ضائع کرنے کیلئے کوئی وقت نہیں ہے کیونکہ ہم ان بچوں کو جوانی یا بڑھاپے میں تو تعلیم نہیں دے سکتے؟

یہ میں نے جتنے بھی لوگوں کا ذکر کیا ہے، یہ سب ایماندار، مخلص محنت کرنے والے اور قربانی دینے کا جذبہ رکھنے والے عظیم لوگ ہیں۔ ہاں عظیم لوگ۔ جو اپنے مقصد کیلئے اپنی جانیں اور اپنی اولادیں تک قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کا بھی پیراڈائم پاکستان کیلئے نہیں ہے۔ پاکستان میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک کہ تمام لوگ ملکر اپنی تمام توانائی اس کی حالت بہتر بنانے کی طرف نہیں لگائیں گے۔

پاکستان میں مسلمان تو بہت ہیں مگر پاکستانی بہت کم ہیں۔ پاکستان کو مسلمان، ہندو، یا عیسائی نہیں چاہیے۔ اسے پنجابی، پختون، سندھی، بلوچ یا مہاجر کی ضرورت نہیں ہے۔ پاکستان کو پاکستانیوں کی ضرورت ہے۔

References:

1- Hina Jilani, a human rights activist in Pakistan, 1996 report.

2- The Citizens Foundation report May, 1999.

"سائنس کے بھی اپنے رسوم اور فرمان ہیں- اس کی سب سے متبرک سچائی یہ ہے کہ کوئی بھی سچائی متبرک نہیں ہے- تمام نظریات کو تنقید کی نظر سے دیکھنا چاہئے- جو چیز حقیقت سے متصادم ہے چاہے وہ ہم کو کتنی بھی عزیز کیوں نہ ہو رد کر دینی چاہئے-"

(کارل ساگان، کائنات)

مذہب اور ملکی ترقی

یہ 1600ء ہے- "محکمہ تفتیش مذہبی" کی عدالت میں جیارڈانو برونو پر مقدمہ چلایا جارہا ہے کیونکہ وہ کوپرنکس کی اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ "آفتاب مرکز ہے اور وہ زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے-" وہ یہ بھی کہتا ہے کہ "دوسری دنیائیں بھی ہماری دنیا کی طرح آباد ہوسکتی ہیں-" تمام جج اس بات پر متفق ہیں کہ برونو کا یہ خیال سراسر احمقانہ، لغو، مذہبی اعتبار سے جھوٹا اور مرتدانہ ہے- کیونکہ مقدس نوشتوں کے بالکل خلاف ہے- اس جرم کی سزا موت ہے- زندہ جلاکر مارنے کی سزا - چنانچہ برونو کو فروری 1600ء میں نذر آتش کردیا جاتا ہے-

یہ 2000ء ہے- آج ترقی یافتہ ملکوں کے مہذب لوگوں کو شاید ہی یہ یقین آئے کے روئے زمین میں ایسا بھی ایک ملک ہے جہاں اگر ایک عورت یہ ثابت نہ کرسکے کہ وہ زنا بالجبر (rape) کی شکار (victim) ہے تو اس پر زنا (adultery) کا الزام لگ سکتا ہے جس کی سزا موت ہے-

ایک 11 سال کی لڑکی کو اگر ماہواری آگئی ہے تو عدالت میں اس کو ایک بالغ (adult) کی طرح treat کیا جائے گا- (جبکہ ایک لڑکے کو 18 سال کی عمر سے پہلے ایک بالغ کی طرح treat نہیں کیا جاسکتا-) چنانچہ اگر ایک 11 سال کی لڑکی کے ساتھ ایک زمیندار زنا بالجبر (rape) کرتا ہے اور وہ لڑکی یہ ثابت نہ کرسکے کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہے تو اس کو زنا (adultery) کے جرم میں موت کی سزا دی جاسکتی ہے-

ہاں اس ملک میں فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ایک آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو قتل کردے اگر وہ کسی کے ساتھ زنا کرتی ہوئی پائی جائے (1)- مزید یہ کہ جاگیرداری کو ختم کرنا غیر اسلامی ہے-

کیا جہالت کی نظروں سے مذہب کو دیکھنے والا انسان آج بھی اتنا ہی اندھا نہیں جتنا 400 سال پہلے تھا؟ جہاں جہالت اور مذہب یکجا ہوجائے وہاں مذہب کی تمام اچھائیاں ماند پڑجاتی ہیں-

ہم اپنے ملک کو اسلامی ملک بنانا چاہتے ہیں باوجود اس کے کہ بانئ پاکستان نے کہا تھا کہ مذہب اسٹیٹ کا بزنس نہیں ہے-

مگر کسی کو ہماری بے وقوفیوں پر ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے- کیا Å لک (Catholic) چرچ نے یہ بات سمجھنے میں کئی سو سال نہیں لگادیئے کہ مذہبی معاملات کو

ملکی معاملات سے علیحدہ رکھنا چاہئے اور حکومت کو سیکولر ہونا چاہئے نہ کہ مذہبی- کیونکہ ایک سیکولر ملک میں ہی مذہب پھل پھول سکتا ہے؟

اگر ہم بھی کئی سو سال لگادیں اس بات کو سمجھنے میں تو اس میں حرج ہی کیا ہے- ہاں اس دوران خدا کیلئے، ہم تمہارے پاؤں پڑتے ہیں اور تمہارے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں، ہمیں سود پر قرضہ دیتے رہنا اپنا ملک چلانے کیلئے -

آیئے ہم ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں- یہ ملک اس وقت تک اقتصادی طور پر ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ ہم اسے سیکولر اور غیر مسلم لوگوں کیلئے ایک محفوظ جگہ نہیں بنائیں گے- Global Economy کے اس دور میں ملک اس وقت ہی ترقی کرسکتا ہے جب زیادہ سے زیادہ غیر ملکی کمپنیاں یہاں آکر اپنے دفاتر کھولیں اور اس ملک میں موجود کثیر انسانی سرمائے کو استعمال کریں- اگر انہیں ذرا بھی حالات ناسازگار نظر آئے تو وہ دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک میں جاسکتے ہیں جن میں بنگلہ دیش اور انڈیا شامل ہیں اور آج کل ایسا ہی ہورہا ہے- امریکہ کی ترقی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر مذہب کے لوگوں کو برابر کے مواقع حاصل ہیں اور وہ سب ملکر اس ملک کی ترقی کیلئے کام کررہے ہیں- یہاں کوئی مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا خون بہانے میں اپنی توانائی ضائع نہیں کرتا- ایک سیکولر ریاست میں تمام مذاہب کو پھلنے پھولنے کے یکساں مواقع ہوتے ہیں- اس طرح لوگ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرنا سیکھتے ہیں اور ان کی توانائی مثبت سمت میں استعمال ہوکر ملک کو ترقی دیتی رہتی ہے-

Reference: (1) Women, Islamisation and Justice by Shahla Zia (Attorney by Profession)

ان ملکوں کی حالت جو صرف خدا کے پاس ہیں

ایک زمین بہت عرصے سے انتہائی بنجر پڑی ہوئی تھی- ایک آدمی نے اسے خریدا اور کئی سال کی انتہائی محنت کر کے اسے ایک سرسبز وشاداب باغ میں بدل دیا- لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آتے اور اس آدمی کی محنت اور باغ کی خوبصورتی کی تعریف کرتے- ایک مرتبہ ایک پادری بھی اس باغ کو دیکھنے کیلیئے آیا اور باغ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری محنت قابل تعریف ہے مگر خدا کی مدد اور اس زمین اور آب و ہوا کے معجزہ کے بغیر یہ بنجر زمین ایک سرسبز و شاداب باغ میں نہیں بدل سکتی تھی- باغ کے مالک نے اس پادری کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا، خدا کی مدد اور زمین اور آب و ہوا کے معجزہ کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا کہ یہ بنجر زمین ایک سرسبز و شاداب باغ میں تبدیل ہوجاتی- مگر تم اس زمین کو اس وقت دیکھتے جب یہ صرف خدا کے پاس تھی-

ان ملکوں کی لسٹ بنائیے جہاں لوگ سب سے زیادہ غربت میں زندگی گزار رہے ہیں، بنیادی تعلیم سے محروم ہیں، کرپشن اور آپس میں قتل و غارت میں سب سے آگے ہیں- سائنس اور ٹیکنالوجی میں سب سے پیچھے ہیں، اور جانوروں کی طرح ایک مردہ معاشرے میں زندگی گذار رہے ہیں- جہاں کوئی تخلیقی صلاحیت (creativity) اور عقل وفکر کی گہرائی نظر نہیں آتی- ان میں سے زیادہ تر آپ کو وہ مما لک ملیں گے جہاں لوگوں نے اپنے ملک اور ملکی معاملات کو صرف خدا کے حوالے کر رکھا ہے-

کیا خدا اس قوم کی حالت بدلتا ہے جس کو خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو؟

خدا پر یقین

ایک آدمی ایک انتہائی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا آس پاس کے نظارے سے لطف اندوز ہورہا تھا کے اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ پہاڑ سے نیچے گرنے لگا- اپنے آپ کو بچانے کیلیئے اس نے ہاتھ پاؤں مارے تو خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ میں باہر کی طرف نکلی ہوئی چٹان کا ایک حصہ آ گیا - اب وہ آدمی بے بسی سے لٹکا ہوا تھا- وہ نہ تو خود اوپر پہاڑ پر جاسکتا تھا اور نہ ہی ہاتھ چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اس طرح وہ ہزاروں فٹ نیچے کھائی میں گر کر مرجاتا- اس شخص نے پوری قوت سے چیخنا شروع کردیا" کوئی ہے جو میری مدد کرے اور مجھے اوپر کھینچ لے!" اس امید پر کہ شاید پہاڑ کے اوپر کوئی آجائے اس کی مدد کیلیئے-

کچھ دیر چیخنے کے بعد جب وہ مایوس ہونے کے قریب ہی تھا تو اسے ایک آواز آئی " میں خدا بول رہا ہوں- میں تیری مدد کروں گا اور تجھے بچاؤں گا اگر تو وہ کرے گا جو میں تجھ سے کہوں گا-" اس شخص نے جلدی سے کہا" میں وعدہ کرتا ہوں، میں وعدہ کرتا ہوں- میں وہ ہی کروں گا جو تو مجھے کہے گا- مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ!" اسے آواز آئی، "اپنے ہاتھ کو چھوڑ دے اور میں تجھ کو بچالوں گا- " اس شخص نے نیچے کی طرف ہزاروں فٹ گہری کھائیوں کو دیکھا، اور ہاتھ چھوڑنے کے نتائج کا تصور کرتے ہوئے چیخا" کوئی اور ہے جو میری مدد کرے-"

زندگی کے ہر لمحے جب بھی ہمیں موقعہ ملتا ہے ہم یہ بتاتے نہیں تھکتے کہ ہم اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور اسلام پر ہمارا مکمل ایمان ہے- اس کے باوجود ہر قسم کے امتحان کے موقع پر ہم اپنے ہاتھ چھوڑنے سے انکار کردیتے ہیں اور کہتے ہیں، " کوئی اور ہے جو میری مدد کرے-" موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر ہم ظلم اور ناانصافی کے خلاف لڑنے سے کتراتے ہیں- رزق اور روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر ہم جھوٹ، بے ایمانی، دھوکہ دہی، رشوت ستانی، یا سفارش کے ذریعہ اپنا رزق و روزی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں- کیا واقعی ہمیں اللہ پر یقین ہے یا ہم دھوکہ دے رہے ہیں سب کو اور اپنے آپ کو؟

میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کی ترقی کا بہت انحصار اس سوال کا صحیح جواب دریافت کرنے پر ہے-

ہمارا فیملی سسٹم اور اس کی پیداواری صلاحیت (Productivity)

بہت سے لوگ پاکستان کے مسائل کا بنیادی سبب کرپشن کو سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ کرپشن اس وقت پھیلتا ہے جب ہم دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں محنت کئے بغیر، اور ترقی کرنا چاہتے ہیں اس کی قیمت ادا کئے بغیر- ہم وہ ہی سہولتیں اور آسائشیں چاہتے ہیں جو ترقی یافتہ ملکوں میں لوگوں کو میسر ہیں مگر شائد ہمیں اندازہ نہیں کہ ترقی یافتہ ملکوں میں لوگ کس طرح ان سہولتوں اور آسائشوں کو حاصل کرتے ہیں- آیئے دیکھتے ہیں-

اگر میں امریکہ کی ایک فیملی کا جس میں میاں، بیوی اور 20 سال کی عمر کے دو بچے ہیں، کا موازنہ ایک اس ہی جیسی پاکستانی فیملی سے کروں تو زیادہ تر حالات میں یہ پتہ چلے گا کہ امریکن فیملی میں چاروں افراد کمارہے ہوں گے جبکہ پاکستانی فیملی میں صرف ایک فرد کمارہا ہوگا- اس پر ظلم یہ ہے کہ عموماً گھر کے بڑے لڑکے پر بیوی بچوں کے ہونے کے بعد بھی اپنے بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا بوجھ ہوتا ہے- مزید ستم یہ ہے کہ پاکستانی ورکر کی پیداواری صلاحیت (Productivity) ایک امریکن ورکر کی پیداواری صلاحیت (Productivity) سے آدھی ہوتی ہے- چاہے اس کا ذمہ دار ہمارا ورکر ہو یا ہمارا سسٹم، ہم آدھی پیداواری صلاحیت (Productivity) دے کر پوری سہولتیں نہیں خرید سکتے- ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ایک ایک خاندان اپنی پیداواری صلاحیت (Productivity) سے کہیں زیادہ ذرائع استعمال یا خرچ کر رہا ہے- ظاہر ہے کہ یہ صرف کرپشن ہی سے کیا جاسکتا ہے-

اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یا تو ہم دنیا میں ایک کرپٹڈ (corrupted) قوم کی طرح رہ سکتے ہیں یا پھر ہمیں اپنے خاندان کے ہر فرد سے اتنی پیداواری صلاحیت (Productivity) لینی ہے جتنی کہ وہ خرچ کر رہا ہے- ہمیں اپنی عورتوں اور بچوں کو (14، 15 سال کی عمر کے بعد) کام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی- امریکہ میں بھی لوگ 1980 کے بعد امیر ہوئے ہیں جب ہر فرد کے بچوں (Dependents) کی تعداد گھٹ کر ایک ہوگئی تھی-

وہ ایجادات جنہوں نے یورپ کو امیر کر دیا

بیسوی صدی کے آخر میں جب یہ ریسرچ کی گئی کہ وہ کون سی ایجاد یا شخص ہے جس نے پچھلے ایک ہزار سالوں میں دنیا پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے تو جواب پرنٹنگ پریس اور گٹن برگ (Gutenberg) تھا- پرنٹنگ 9 ویں صدی عیسوی میں چین (جس نے کاغذ بھی ایجاد کیا تھا) میں ایجاد ہوئی تھی- مگر اس کا استعمال اس طرح سے چین میں نہیں پھیلا جیسا کہ یورپ میں جس نے پرنٹنگ کو چین کے مقابلے میں صدیوں کے بعد استعمال کرنا شروع کیا-

یہ گٹن برگ (Gutenberg) تھا جس نے یورپ میں متحرک سانچوں (movable type) کا پرنٹنگ پریس ایجاد کیا اور 55 - 1452 میں دنیا کی پہلی کتاب متحرک سانچوں (movable type) کو استعمال کرتے ہوئے پبلش (Publish) کی جو کہ بائبل تھی- اس ایجاد کی بدولت 50 سال کے اندر اندر یورپ میں لاکھوں کتابیں پبلش ہوگئیں- پرنٹنگ کے بے پناہ فائدوں کے باوجود یہ دنیا کے دوسرے حصوں میں نہیں پھیلی- خاص طور پر اسلامی ممالک میں جہاں مذہبی بنیادوں پر اسے مسترد (reject) کردیا گیا- مسلمانوں کیلئے ایک پرنٹڈ قرآن (Printed Quran) کا تصور ناقابل قبول تھا- استنبول (Istanbul) میں یہودی اور عیسائیوں کے پرنٹنگ پریس تھے مگر مسلمانوں کے نہیں- انڈیا میں بھی پرنٹنگ پریس 19 ویں صدی کے شروع میں لگایا گیا تھا-

ایک دوسری ایجاد جس نے انسانوں کی پیداواری صلاحیت (Productivity) پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے وہ مکینکل گھڑی (mechanical clock) ہے- مکینکل گھڑی سے پہلے لوگ وقت معلوم کرنے کیلئے سورج گھڑی (Sun clock) یا پانی گھڑی (Water clock) استعمال کرتے تھے جو موسم یا حرارت (temperature) کے مطابق کبھی کام کرتی تھیں اور کبھی نہیں-

مکینکل گھڑی نے کام (work) کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بدل دیا جب انسان اس قابل ہوا کہ وہ پیداواری صلاحیت (Productivity) کو گھنٹوں میں ناپ (measure) سکے-

Adam Smith نے 18 ویں صدی عیسوی میں یہ تجزیہ کیا تھا کہ قوموں کی دولت (wealth) مزدوروں (labor) کی پیداواری صلاحیت (Productivity) میں اضافے سے بڑھتی ہے-

باوجود اس کے کہ مسلمانوں نے پانی کی گھڑیوں (water clocks) کو یورپ کے لوگوں سے بہت پہلے بنانا شروع کیا تھا، انہوں نے کبھی گھڑی کو لوگوں میں "وقت" کا شعور پیدا کرنے کی لئے استعمال نہیں کیا بلکہ صرف نماز کا وقت معلوم کرنے کیلئے استعمال کیا- آج جب میں تاریخی حقائق کا مطالعہ کرتا ہوں یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کیوں کچھ قومیں (انڈیا، پاکستان، چائنا، اسلامی ممالک وغیرہ) غریب اور کچھ قومیں (یورپ، امریکہ وغیرہ) امیر ہیں، تو یقین نہیں آتا کہ پچھلے 500 سالوں میں اسلامی ملکوں میں صورت حال کچھ زیادہ نہیں بدلی ہے- آج قرآن اور دوسری اسلامی کتابوں کو چھاپنے کے تصور کو تو قبول کرلیا گیا ہے، مگر دوسرے مضامین کی کتابیں چھاپنے اور پڑھنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے- جبکہ وہ کتابیں جنہوں نے اس دنیا کو بدلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، (مزید تفصیل کیلئے " کتابیں جنہوں نے دنیا بدل دی" پڑھئے) تقریباً 200 سال پہلے امریکہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں خریدی اور پڑھی گئی ہیں-

وقت کی قدر ہم پاکستانی کتنی کرتے ہیں اس کا اندازہ آپ زندگی کے ہر شعبے میں دن میں کئی مرتبہ لگا سکتے ہیں- پاکستانی لوگ اور اخبارات اپنے تمام مسائل کی ذمہ داری حکومت پر تھوپنے سے نہیں تھکتے - مگر کوئی شخص اپنی اور اپنے خاندان کی پیداواری صلاحیت (Productivity) پر غور کرنے اور اس کو بڑھانے کیلئے تیار نہیں-

میں پورے یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب تک پاکستان کے لوگ اپنے کلچر کو بدلنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، جس میں وقت کی قدر اور پابندی، شادی بیاہ کی فضول رسومات اور اخراجات، (جس کی بڑی وجہ لڑکیوں اور عورتوں کو چار دیواری میں رکھنا ہے- وہ بیچاریاں اگر شادی و بیاہ کی رسومات کو بھی نہ enjoy کریں تو کیا کریں؟ اخراجات کی بڑی وجہ حرام کی کمائی اور تعلیم کی کمی ہے- امریکہ میں ایک عام فیملی دولھا اور دلہن دونوں کی طرف سے صرف ایک تقریب کرتی ہے جس میں عموماً 100 سے زیادہ افراد نہیں ہوتے- جبکہ پاکستان میں 700 سے 1000 لوگوں کو بلانا ایک عام بات ہے-)، اور ٹریفک کے قوانین کی پابندی جیسی روزمرہ کی عام چیزیں شامل ہیں، اس وقت تک دنیا کا کوئی لیڈر پاکستان کو ترقی کے راستے پر نہیں ڈال سکتا- ایک خضر بھی آ کر اس قوم کو کیسے منزل تک پہنچائے گا جو اپنی جگہ سے ہلنے تک کو تیار نہ ہو-

کہتے ہیں کہ دنیا میں انسان کیلئے صرف دو ہی بوجھ ہوتے ہیں- ایک ڈسپلن (Discipline) کا اور دوسرا پچھتاوے کا - ڈسپلن کا بوجھ او I (ounces)

میں ہوتا ہے اور پچھتاوے کا ٹنز (tons) میں۔

سہولتیں اور ٹیکس

(پاکستان میں 1% سے بھی کم لوگ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ خبر)

یہ امریکہ ہے۔

صاف ستھری آب و ہوا، کشادہ سڑکیں، بہترین ہسپتال، غریب سے لے کر امیر تک ہر ایک کو یکساں سہولتیں میسر ہیں۔ بہترین تعلیمی ادارے اور پولیس کا بہترین نظام ہر شہری کی حفاظت کیلئے صرف تین سے چار منٹ کے فاصلے پر ہر وقت موجود ہے۔ یہاں یہاں پولیس ہزاروں ایسے لوگوں کو پکڑ چکی ہے جنہوں نے 15 سے 35 سال پہلے قتل کئے تھے۔ یعنی کہ یہاں جرم کرنے سے تو ہر ایک کو نہیں روکا جاسکتا مگر یہاں کی پولیس اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی جب تک کے مجرم کو پکڑ نہ لے، چاہے اس میں 35 سال ہی کیوں نہ بیت جائیں۔

ایمرجنسی کے موقع پر آپ کو صرف 911 پر کال کرنی ہے۔ بہت سے جگہوں پر کمپیوٹرائیز ڈسسٹم ہونے کی وجہ سے پولیس اور ا=لینس آپ کے گھر تین سے چار منٹ میں پہنچ جاتی ہے چاہے آپ ان کو اپنا ایڈریس نہ بھی بتا پائیں۔ حکومت کسی بھی طوفان یا دوسری قدرتی آفات کا پتہ عام طور پر تقریباً ایک ہفتے پہلے لگا لیتی ہے، اور ایک مکمل انتظام کے ذریعہ لوگوں کو دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بڑی سے بڑی قدرتی آفت آنے کے باوجود مرنے والوں کی تعداد عموماً نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ قدرتی آفات کے ذریعہ ہونے والے مالی نقصانات کو پورا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

یہ ساری سہولتیں یہاں کے شہریوں کو مفت میں نہیں ملتیں، یہاں لوگ اپنی آمدنی کا 20 فیصد سے لے کر 46 فیصد تک حکومت کو ٹیکسز (taxes) کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ جی ہاں امریکہ کے امیر لوگ ہر سال کما کر اپنی آمدنی کا تقریباً آدھا حصہ اور عام لوگ پانچواں حصہ اپنی حکومت کو ادا کرتے ہیں تاکہ وہ ان کو زندگی کی بنیادی سہولتوں سے لے کر ترقی کرنے کے مواقع تک فراہم کرتی رہے اور دوسرے ممالک سے بزنس اور ٹیکنالوجی میں مقابلہ کر سکے۔ امریکہ کے لوگ یہ بات سمجھتے ہیں کہ "دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی۔"

یہ پاکستان ہے-

ایک 12 سال کی لڑکی کو سانپ نے کاٹ لیا، ماں باپ اس کو ہسپتال لے گئے- وہاں وہ تڑپ تڑپ کر مرگئی کیونکہ ہسپتال میں سانپ کے کاٹنے کے علاج کی دوا موجود نہیں تھی-

ایک لڑکے کو ایک آوارہ کتے نے چہرہ پر کاٹ لیا- والدین اس کو ہسپتال لے گئے مگر وہاں پر اس لڑکے کو پاگل ہونے سے بچانے کیلئے دوا موجود نہیں- ہاں ہسپتال والے یہ ضرور بتاسکتے ہیں کہ وہ دوا کہاں سے ملے گی- دوا کی قیمت 20 ہزار روپے ہے-لڑکے کے پاس صرف چند گھنٹے ہیں- اگر دوا اس کو وقت پر نہیں ملی تو وہ پاگل ہوسکتا ہے-

ایک بازار میں دوکانوں میں آگ لگ جاتی ہے اور اربوں روپے کا مال جل جاتا ہے- دوکان داروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کے نقصانات کی تلافی کی جائے-

ٹھٹھہ اور اس کے آس پاس سمندری طوفان آنے کی وجہ سے سینکڑوں لوگ مرجاتے ہیں اور ان کی فصلیں اور مکانات تباہ ہوجاتے ہیں- نہ حکومت کو طوفان کے آنے کی پیشگی اطلاع ہوئی اور نہ اس کے پاس انتظام ہے ان آفت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کا-

ذرا سوچئے کہ آپ کیسا محسوس کریں گے اگر آپ کی بیٹی یا بیٹا ہسپتال میں تڑپ رہا ہو مگر اس کے علاج کی دوا نہ ہو- آپ کی دوکان کا سارا سامان جل جائے اور حکومت کوئی مدد نہ کرسکے- آپ کے کھیت اور مکانات طوفان سے تباہ ہوجائیں اور آپ طوفان میں گھرے ہوئے ہوں اور آپ کو بچانے والا کوئی نہ ہو-

مگر دوبارہ سوچیں! کیا آپ نے کبھی ٹیکس دیا ہے جو آپ حکومت سے اپنی مدد کی توقع کررہے ہیں؟

نوجوان اور اکانامی (Economy)

" شعور کے طویل سفر میں دو چیزوں کی انتہائی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ حقیقتوں کو تسلیم کرنے کی ایماندارانہ صلاحیت اور قدرتی مظاہر سے لطف اندوز ہونا ۔"
(کارل ساگان، کائنات)

امریکہ میں آ کر میں نے جو ایک خاص بات نوٹ کی وہ یہ تھی کہ یہاں بچپن سے لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ ایک جیسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے اور انہیں الگ الگ رکھنے کے بجائے ان کے درمیان ایک صحت مند تعلق پر زور دیا جاتا ہے۔ چھوٹی عمر سے ہی لڑکے اور لڑکیاں دوستی شروع کر دیتے ہیں، جس کا مقصد گھومنا پھرنا (to have a good time) اور اپنے جنس مخالف کو سمجھنا اور مستقبل کی ذمہ داریوں کیلئے ایک میاں یا بیوی کی حیثیت سے یا ایک ماں یا باپ(Parent) کی حیثیت سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ والدین اپنے لڑکے یا لڑکی کی حوصلہ افزائی (encouragement) کرتے ہیں کہ وہ اپنے لئے ایک اچھا پارٹنر (Partner) تلاش کرے اور اس کے ساتھ دوستی بڑھائے۔ جنس مخالف کے ساتھ دوستی کا ہونا یہاں کے کلچر کا ایک حصہ ہے۔ ان لڑکے اور لڑکیوں کیلئے جو جنس مخالف سے دوستی کرنے میں ناکام ہوتے ہیں ماہرین سے مدد لی جاتی ہے۔

ہر نوجوان لڑکے یا لڑکی کا ایک وقت میں ایک ہی گرل یا بوائے فرینڈ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا جو ایک وقت میں ایک سے زیادہ بوائے یا گرل فرینڈز کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کی دوستی عموماً کئی ماہ سے لے کر کئی سال تک چلتی ہے۔ یہ وقت ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے صرف کیا جاتا ہے۔ اس دوستی کا انجام یا تو شادی پر جا کر ختم ہوتا ہے یا پھر لڑکا اور لڑکی اس دوستی کو ختم کر کے کسی بہتر پارٹنر کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔

یہاں لڑکیوں کو مکمل آزادی حاصل ہے اپنا پارٹنر منتخب کرنے کی۔ انہیں لڑکے کے گھر والے، فرنیچر کی طرح رنگ اور خوبصورتی کے پیمانے پر نہیں ناپتے اور تولتے اور ذاتی وجوہات کی بناء پر مسترد (reject) کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا یہ نظام برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) جیسے مشہور مفکروں کی تجاویز کا نتیجہ ہے۔

برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب " تعلیم اور سماجی نظام " (Education and

Social Order) میں جو کہ 1932 میں شائع (Publish) ہوئی تھی، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مسئلے پر اس طرح سے لکھا ہے :-

" .....شاید کبھی ایسا زمانہ آئے گا جب ہمارے موجودہ اخلاقی نظام کی وجہ سے آغاز شباب میں پیدا ہونے والی نفسیاتی خرابیوں پر سنجیدگی سے توجہ دی جائے گی اور یوں لڑکوں اور لڑکیوں کو اس قسم کی آزادی دے دی جائے گی جو آج کل سموا اور بحرل الکاہل کے کئی دوسرے جزیروں میں انہیں حاصل ہے۔..... یہ چیز جج لنڈزے کے تجویز کردہ دوستانہ شادی کے نظام کو نافذ کر کے حاصل کی جا سکتی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر یونیورسٹی کے طالب علموں کو عارضی اور بے اولاد شادیوں کی اجازت دے دی جائے تو اس سے ذہنی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے یونیورسٹی کی زندگی کا معیار بہتر ہو سکتا ہے۔ ....."

آگے جا کر برٹرینڈ رسل لکھتا ہے :

"..... ممکن ہے کہ زیادہ آزاد رویئے میں بھی خطرات مضمر ہوں ۔ تاہم وہ موت کے بجائے زندگی کے خطرے ہوں گے۔"

اس کتاب میں میرا مقصد اس نظام کے نقصانات یا فوائد پر بحث کرنے کے بجائے، اس بات پر غور کرنا ہے کہ اس نظام نے امریکہ کی پیداواری صلاحیت (Productivity) اور ترقی میں کیا کردار ادا کیا ہے۔

جوانی کی حدود میں قدم رکھتے ہی، نوجوان لڑکوں کی ساری توانائی اس بات پر صرف ہوتی ہے کہ کسی طرح اچھی سے اچھی لڑکی کے ساتھ دوستی کی جائے۔ اس کے لئے وہ بہتر سے بہتر پارٹ ٹائم جاب کی تلاش میں ہوتے ہیں تاکہ ایک اچھی سی (استعمال شدہ) گاڑی خرید سکیں۔ اپنی گرل فرینڈ کو کسی اچھے ریستوران میں لے جا سکیں اور اس کے لئے اچھے اچھے تحفے خرید سکیں۔ کم و بیش لڑکیوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔

20 سال کی عمر سے اوپر کے لڑکے اور لڑکیاں جہاں تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں، وہیں پارٹ ٹائم جاب وغیرہ کر کے وہ اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اپنے لئے کوئی علیحدہ اپارٹمنٹ وغیرہ لے کر رہ سکیں۔ شادی کے بعد لڑکے اور لڑکیاں والدین کے ساتھ رہنے کے بجائے ایک علیحدہ اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔

ایک گاڑی یا اپارٹمنٹ کو afford کرنا اس لئے اتنا مشکل نہیں ہے کیونکہ یہاں زیادہ تر چیزیں ادھار یا قسطوں (Credit) پر مل جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک نئی گاڑی کا خرچہ تقریباً 300 ڈالرز فی مہینہ ہوتا ہے جبکہ آپ ایک استعمال شدہ گاڑی

تقریباً ایک ہزار ڈالرز میں بھی خرید سکتے ہیں- ایک کمرہ کے اپارٹمنٹ کا کرایہ تقریباً 400 ڈالرز فی مہینہ ہوتا ہے- ہر شخص کم از کم 6 ڈالرز فی گھنٹہ کما سکتا ہے-

شاید آپ کو اندازہ ہو کہ مکان اور گاڑی کی صنعتوں سے ہزاروں دوسری صنعتیں وابستہ ہیں- جب آپ ایک مکان خریدتے یا کرائے پر لیتے ہیں تو اس کے لئے سینکڑوں دوسری چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے- اس طرح امریکہ کے کروڑوں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تقریباً 15 سال کی عمر سے ہی اس ملک کی معیشت (economy) کو چلانے میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں-

پاکستانی معاشرے میں نوجوانوں کے نفسیاتی مسائل کم کرنے اور ان کی توانائی کو پاکستان کی اقتصادی ترقی کیلئے استعمال کرنے کیلئے شاید یہ ممکن ہو کہ لڑکے اور لڑکی کا 20 سال کی عمر میں انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کر کے ان کو ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو پورا اختیار دیا جائے کہ وہ جسے چاہیں نکاح کیلئے پسند کرسکیں۔ (یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ پاکستان کے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور پاکستان کی معاشی ترقی کیلئے اس وقت تک بچے پیدا نہ کیے جائیں جب تک کہ آپ مالی طور پر مستحکم نہ ہو جائیں۔ اور شادی کے بعد لڑکا اور لڑکی والدین کے ساتھ رہنے کے بجائے ایک الگ اپارٹمنٹ میں رہیں۔)

جہاں اس آئیڈئے کو عملی جامع پہنانے کیلئے مکمل پلاننگ کی ضرورت ہے، وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آئیڈیا پاکستان کے بہت سے مکروہ اور گھناؤنے مسئلوں (جن میں بڑی عمر کے لڑکوں یا مردوں کا معصوم لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کرنا اور کارو کاری (Honor killing) شامل ہیں) کا اگر خاتمہ نہیں تو ان کو کم ضرور کرسکتا ہے-

پاکستانی والدین کی زندگی کا سب سے بڑا بوجھ شاید اپنی لڑکیوں کیلئے اچھا رشتہ تلاش کرنا ہے- یہ آئیڈیا اس بوجھ کو ختم کردے گا اور نوجوانوں کی زندگی اور اس ملک میں ایک بڑی مثبت تبدیلی لاسکتا ہے-

" ممکن ہے کہ زیادہ آزاد رویئے میں بھی خطرات مضمر ہوں - تاہم وہ موت کے بجائے زندگی کے خطرے ہوں گے-" برٹرینڈ رسل

.............x............

نوٹ: یہ واضح رہے کہ میری تجاویز اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ پاکستانی معاشرہ (نہ جانے کمبخت کس پر پڑ گیا ہے) ایک اسلامی معاشرہ نہیں ہے ۔ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کو پوری آزادی دی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ موقعوں پر حالات اور ضرورت کے پیش نظر متع (وقتی شادی) کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔

نبی کریمؐ اور صحابہ اکرام کے دور میں کئی شادیاں کرنے کا رواج عام تھا۔ جبکہ جہاد کے موقعہ پر مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگنے والی لڑکیوں یا عورتوں یا غلام لڑکیوں یا عورتوں کو خرید کر رکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ عورتوں کو طلاق دینے اور پھر کنواری یا طلاق شدہ عورت سے شادی کرنے کا رواج بھی تھا۔

حوالے کے لئے بخاری شریف دیکھئے: جلد سوم، باب ۳۰ (کتاب النکاح)، جلد اول، باب ۲۵۲، ۱۳۸۴، اور ۱۳۸۶ ۔

پاکستان اور انڈیا: مشکل مسئلہ، سادہ حل

ایک بہت امیر آدمی اپنے دو نالائق بیٹوں سے بہت عاجز تھا۔ دونوں لڑکوں کا زیادہ تر وقت ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے میں گزرتا تھا اور دونوں ہر وقت اس جستجو میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح ایک دوسرے کو نیچا دکھائیں۔

جب امیر آدمی کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس خیال سے کہ شاید میرے مرنے کے بعد یہ لڑکے کچھ سبق سیکھ لیں اس نے یہ عجیب وغریب وصیت کی: میری جائداد اس لڑکے کو ملے گی جس کا گھوڑا آخر میں ایک مخصوص جگہ پہنچے گا۔ جو وہاں سے کچھ دنوں کے فاصلے پر تھی۔ اگر یہ وصیت ہوتی کہ جس کا گھوڑا پہلے پہنچے گا تو دونوں بھائی ریس لگا کر کچھ ہی دنوں تک وہاں پہنچ جاتے مگر کیوں کہ شرط الٹی تھی اس لیے دونوں بھائیوں کو ادھر ادھر بھٹکتے ہوئے کئی سال گزر گئے مگر کوئی بھی پہلے جگہ تک نہیں پہنچنا چاہتا تھا۔

جب دونوں بھائی بہت تنگ آ گئے تو وہ ایک عقلمند آدمی کے پاس پہنچے اور اس سے مدد کی درخواست کی۔

اس عقلمند آدمی نے ان کا مسئلہ سننے کے بعد کہا۔ اسکا حل تو بہت آسان ہے۔ اپنے گھوڑے بدل لو۔ یہ سننا تھا کہ دونوں نے اچھل کر اپنے گھوڑے بدلے اور تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

پاکستان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انڈیا سے دشمنی ہے۔ دونوں ملکوں کے لوگ اس وقت تک غربت کی چکی میں پستے رہیں گے جب تک کہ دونوں ممالک اپنے ذرائع کا زیادہ تر حصہ جنگ کی تیاریوں میں لگاتے رہیں گے۔

اگر دونوں ممالک کسی عقلمند کے پاس جا کر اپنے مسئلے کا حل معلوم کرنا چاہیں تو معلوم ہے اسکا جواب کیا ہو گا؟ اپنے گھوڑے بدل لو۔ ایک دوسرے کو بزنس اور ٹیکنالوجی میں شکست دو۔

وہ ملک جیتے گا جس کے زیادہ لوگ فیصد (Percentage) کے حساب سے تعلیم یافتہ ہونگے، جس کے پاس زیادہ سائنس دان ہونگے، جسکی زیادہ ایجادات (inventions) ہونگی اور جسکی زیادہ برآمدات (exports) ہوں گی۔

کہیے! کیا آپ تیار ہیں گھوڑے بدلنے کیلئے یا سالوں بھٹکتے رہنا چاہتے ہیں؟

سوچنے کی بات! کیا آپ خدا کی مدد کے بغیر انڈیا سے جنگ کر سکتے ہیں؟

فرض کریں کہ اگر آپ کو اس بات کا سوفیصد یقین ہو کہ اگر پاکستان اور انڈیا کے درمیان جنگ ہوئی تو امریکہ اور خدا دونوں انڈیا کی مدد کریں گے، یا کم از کم آپ کی مدد نہیں کریں گے تو کیا آپ انڈیا سے جنگ شروع کرنے کی جرات کر سکتے ہیں باوجود اس کے کہ آپ کے پاس ایٹم بم موجود ہے؟

اب ذرا تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کی تاریخ کو دوبارہ پڑھیئے اور سوچیں کہ آپ کس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان اور انڈیا کی جنگ کی صورت میں اللہ پاکستانیوں کی مدد کرے گا؟ کیا پاکستانی ایمان دار ہیں؟ کرپشن سے دور ہیں؟ انصاف کرتے ہیں یا خدا اور اس کے رسول کے احکامات پر پوری طرح سچے دل سے عمل کرتے ہیں؟

اور کیا یہ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ اس بات سے قطع نظر کہ کونسا ملک ایٹمی جنگ شروع کرتا ہے، اگر پاکستان نے انڈیا پر ایٹم بم گرایا تو وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ انڈیا میں پاکستان سے زیادہ تعداد میں موجود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی ختم کردے گا۔

The G.I. Bill - وہ قانون جس نے امریکہ بدل دیا

"میں نے دنیا میں ترقی کی ہے اس لئے نہیں کہ میں بہت ذہین (genius) ہوں یا میں نے کوئی نئی چیز ایجاد کی ہے، بلکہ اس لئے کہ مجھ میں دوسروں سے سیکھنے کی صلاحیت ہے" ظفر خضر-

دوسری جنگ عظیم جیتنے کے بعد امریکہ کیلئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان 16 ملین فوجیوں (Veterans) کا کیا کرے جو جنگ سے واپس آ رہے تھے- حکومت کے ذمہ دار لوگ پہلی جنگ عظیم کے بعد کے حالات نہیں بھولے تھے جب واپس آنے والے فوجیوں کو $60، ٹرین کا ایک ٹکٹ گھر جانے کیلئے، اور $500 بونس دینے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی 20 سال کے بعد-

امریکہ میں 1929 کے بعد کا دور Great Depression کا دور کہلاتا ہے- 1933 میں 15 ملین لوگ جاب کے بغیر تھے- مایوس اور ناامید لوگ کھانا حاصل کرنے کیلئے لمبی لمبی لائینوں میں کھڑے رہتے تھے اور ہر قسم کی جاب کرنے کو تیار تھے- حکومت کی مدد اور مختلف پروگرامز کے باوجود 1939 میں بھی جاب کے بغیر لوگوں کی تعداد 10 ملین تھی- دوسری جنگ عظیم کے فوجی ان ہی مایوس کن حالات میں پلے بڑھے تھے- ان کے والدین اور فیملیاں غربت اور نوکریوں کے نہ ہونے (joblessness) کا شکار رہی تھیں- اس وقت تقریباً پوری دنیا ہی اقتصادی تباہی سے گزر رہی تھی-

امریکہ جنگ میں دسمبر 1940,7 میں شامل ہوا جاپان کے Pearl Harbor پر حملہ کرنے کے بعد- جنگ میں شامل ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ زیادہ تر جوان لوگ جنگ میں شامل ہوگئے اور باقی تمام لوگ جن میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی تھی کام پر لگ گئے، ان جوان آدمیوں کی کمی پوری کرنے کیلئے- بہت سی عورتوں کیلئے یہ پہلا موقعہ تھا گھر کی چاردیواری سے نکل کر ورک فورس میں شامل ہوں- دوسری جنگ عظیم میں تقریباً 16 ملین مرد اور عورت شامل تھے- ان میں سے تقریباً 350,000 عورتوں نے اپنی خدمات کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا- جہاں یہ تمام لوگ جنگ میں خدمات دے رہے تھے، وہیں ملک (امریکہ) میں لوگ دن رات کام پر لگ گئے اور ملک کو ایک صنعتی طاقت (industrial giant) میں بدل دیا- دوسری جنگ عظیم نے عورت، مرد یا بوڑھے ہر ایک کو کام پر لگا دیا تھا- یہاں یہ بتانا بھی شاید ضروری ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں ان فوجیوں میں سے 4 لاکھ مرگئے تھے اور 6 لاکھ سے زیادہ زخمی ہوئے تھے-

لوگ وقتی طور پر Great depression کو بھول گئے تھے، مگر گورنمنٹ

کیلئے یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا کہ کیا ہوگا جب وہ 16 ملین لوگ ملٹری سروس سے واپس آئیں گے- کیا پھر لوگ کھانے کیلئے لمبی لمبی لائینوں میں لگیں گے یا گلی کے کونوں میں سیب بیچیں گے؟

G.I. Bill ان 16 ملین فوجیوں کی مدد کیلئے پیش کیا گیا تھا- اس Bill کے مطابق:

- ہر فوجی کو 52 ہفتے تک $20 فی ہفتہ دئے جائیں گے اگر وہ جاب کے بغیر ہے-
- ہر فوجی اپنی پسند کی کسی بھی یونیورسٹی یا کالج میں داخلہ لے سکتا ہے- حکومت نہ صرف اس کی تعلیم کا پورا خرچہ اٹھائے گی بلکہ اسے دوران تعلیم پیسے ($50 ایک فوجی کیلئے فی مہینہ، $75 اگر فوجی شادی شدہ ہے، $15 فی بچہ بھی ملیں گے-)
- Vocational تعلیم یا جاب پر ٹریننگ کیلئے پیسے
- گھر، فارم (Farm) یا بزنس خریدنے کیلئے قرضہ

اس Bill کو کانگریس میں بہت سپورٹ حاصل ہوئی مگر کچھ لوگ اس کے مخالف بھی تھے- ایک Representative نے اس Bill کی سختی سے مخالفت کی کیونکہ یہ Bill گورے اور کالے (Black) فوجیوں کو یکساں فائدہ دے رہا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کالے فوجیوں کو بھی وہ ہی فوائد حاصل ہوں جو کہ گورے فوجیوں کیلئے تھے- حیرت کی بات یہ ہے کہ کچھ انتہائی تعلیم یافتہ افراد جن میں Harvard University اور The University of Chicago کے صدر (Presidents) شامل تھے، اس bill کی مخالفت کی- ان کا خیال یہ تھا کہ یونیورسٹیاں unqualified لوگوں سے بھر جائیں گی- ان دونوں تعلیمی لیڈروں کو آخر کار اپنے الفاظ خود چبانے پڑے- Harvard کے صدر James B. Conant نے 1947 میں فوجی اسٹوڈنٹس کے بارے میں کہا کہ وہ Harvard کے بہترین اسٹوڈنٹس میں سے تھے-

(The most mature and promising student Harvard has ever had.)

کچھ مخالفت کے باوجود آخر کار G.I. Bill پاس ہوگیا- خوش قسمتی سے فوجیوں نے اس سہولت کا پورا پورا فائدہ اٹھایا- ان لوگوں کو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ کالج کی تعلیم صرف امیر لوگوں کے بچوں کیلئے ہی نہیں ہے- "میں بھی کالج جاسکتا ہوں- مجھے بھی اچھی جاب مل سکتی ہے-" (اس Bill سے پہلے عام لوگ یہ ہی سمجھتے تھے کہ کالج صرف امیر لوگوں کے بچے جاتے ہیں-) اس Bill نے یہ بدل دیا کہ کون یونیورسٹی کا اسٹوڈینٹ ہوسکتا ہے- یہ ثابت ہوگیا کہ ایک بے روزگار، ناامید، اور مایوس انسان کے

بچے، immigrants کے بچے، اور ایک ہاری (Sharecropper) کے بچے بھی اتنے ہی ذہین (Smart) ہوتے ہیں جتنے کہ امیر اور کامیاب ترین صنعتی لیڈروں کے بچے یا وہ بچے جو بڑی بڑی گاڑیوں میں آتے ہیں- گورنمنٹ افسروں، جن میں امریکہ کا صدر روز ویلٹ شامل ہے، کا اندازہ تھا کہ G.I.Bill کی وجہ سے کالجوں کی 150,000 enrollment فی سال سے بڑھ کر 1956 تک (وہ تاریخ جب G.I. Bill کو expire ہوتا تھا) 600,000 سے 700,000 ہوجائے گی- یہ ایک مناسب اندازہ تھا کیونکہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے بہت کم لوگ ہائی اسکول (12 سال) ختم کرتے تھے- مسلح افواج کے لاکھوں افراد نے گرامر (grammar) اسکول (6 سال) تک ختم نہیں کیا تھا- بہت سے امریکن نوجوانوں نے 10 سال سے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی- یہ اندازہ جلد ہی غلط ثابت ہوگیا-

شروع میں فوجیوں نے ایجوکیشن میں زیادہ دلچسپی نہیں لی- مگر 1947 تک 1,164,000 فوجی کالجوں میں رجسٹرڈ ہوچکے تھے G.I. Bill کی وجہ سے امریکہ کی تاریخ میں بہت سے انسٹیٹیوٹس (Institutes) میں پہلی مرتبہ عیسائی، یہودی اور کالے (Black) لوگ ایک ساتھ کلاسز میں بیٹھ رہے تھے- بہت سے عورتوں کے کالج، co-educational بن گئے- شادی شدہ لوگوں نے، جن کے بچے بھی تھے، کالج میں داخلہ لیا- دوسری جنگ عظیم سے پہلے زیادہ تر لوگ شادی کے بعد کالج جانا بند کردیتے تھے- بچے ہونے کے بعد کالج جانے کا لوگ تصور بھی نہیں کرتے تھے- اس دوران 2 ملین سے زیادہ لوگوں نے کالج کی تعلیم حاصل کی- ان میں آدھے ایسے تھے جنہوں نے اپنے خاندان میں پہلی دفعہ کالج ڈگری لی تھی، اور زیادہ تر لوگ ایسے تھے جو G.I. Bill کے بغیر کالج نہیں جاسکتے تھے- اعلیٰ تعلیم اس طرح عام لوگوں تک پہنچ گئی تھی کہ اسے کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا تھا- عموماً اگر والدین کالج جاتے ہیں تو ان کے بچے بھی کالج جاتے ہیں- اس طرح دوسری جنگ عظیم کے فوجیوں کے بچوں کے کالج میں داخلہ لینے کی وجہ سے امریکہ میں 1990ء کے درمیان کے سالوں میں کالجوں میں enrollments، 14 ملین سے زیادہ تھی- اس طرح G.I. Bill کا جو اثر تعلیم پھیلانے پر ہوا اس کو measure کرنا بہت مشکل ہے- 2.2 ملین فوجیوں، جو کہ کالج گئے تھے، کے علاوہ تقریباً 6 ملین فوجیوں نے دوسرے بزنس اسکولز اور ٹریڈ اسکولز وغیرہ میں G.I. Bill کے ذریعہ تعلیم حاصل کی تھی-

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر ایک ڈالرز کے بدلے جو G.I. Bill کے ذریعہ تعلیم کیلئے خرچ کیا گیا تھا، امریکن حکومت کو 8 ڈالرز انکم ٹیکس کے ذریعہ واپس وصول

ہوئے- مگر G.I. Bill کی صحیح قدروقیمت (Value) کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا- اس bill نے ہر اس شخص کو انجینئر، ڈاکٹر، وکیل وغیرہ بننے کا موقع فراہم کیا، ہر شخص کو ایک بزنس کھولنے کا موقع دیا، اور ان لوگوں کو اپنا گھر خریدنے کا موقع دیا جو کبھی اپنے ذاتی گھر میں نہیں رہے تھے- کم از کم 10 فوجیوں نے نوبل انعام حاصل کیا- فوجیوں نے، جنہیں جنگ کے دوران سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کا اندازہ تھا، کالج ایجوکیشن حاصل کرنے کی بعد ٹیلی وژن، کمپیوٹرز، سول انجینئرنگ، کیمسٹری، فزکس، space اور دوسری فیلڈز میں ایک سائنٹیفک انقلاب لانے میں ایک اہم کردار ادا کیا-

اس طرح حقیقت یہ ہے کہ G.I. Bill نے ایجوکیشن عام لوگوں تک پہنچا کر امریکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک عظیم ملک میں تبدیل کردیا-

....

کاش کہ پاکستان میں Yellow Cab جیسی اسکیموں میں اربوں روپے ضائع کرنے والے ہمارے گورنمنٹ افسروں نے کبھی G.I. Bill کے بارے میں بھی پڑھا ہوتا-

نقشہ (MAP)

زندگی میں ترقی کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ کے پاس ایک ایسا نقشہ (Map) ہو جو آپ کو آپکی منزل پر پہنچا سکے۔

ایک صحیح نقشے کے بغیر آپ دنیا کی ہر صلاحیت کے ہوتے ہوئے بھی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کتنے ہی ایمان دار کیوں نہ ہوں، آپکا رویّہ یا انداز (attitude) کتنا ہی مثبت(positive) کیوں نہ ہو، آپ کتنی ہی محنت کیوں نہ کریں۔ آپ کہیں نہیں جا سکتے اگر آپ کے پاس ایک غلط نقشہ (Map) ہے۔

پاکستان کو ایک نقشے (Map) کی ضرورت ہے۔

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ ہم کہاں جانا چاہتے ہیں پھر ہمیں ایک نقشہ (Map) بنانا ہے جو ہمیں اپنی منزل تک پہنچا سکے۔ تو آیئے ہم اپنی منزل کا انتخاب کریں۔

ایک زمانہ تھا جبکہ یہ فیصلہ کرنا کافی مشکل تھا کہ ہماری منزل کیا ہے اور ہم کہاں جانا چاہتے ہیں۔ آج ہمارے سامنے ہماری منزل بالکل واضح ہے۔

ہم پاکستان کے ایک عام آدمی کو وہ ہی کچھ دینا چاہتے ہیں جو امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں ایک عام آدمی کو میسر ہے۔ انصاف، تحفظ، روٹی، کپڑا اور مکان، صاف آب و ہوا، ترقی کے یکساں مواقع، جدید ہسپتال اور اعلیٰ تعلیمی نظام، اور سب سے اہم بات یہ کہ ایک عام آدمی کیلئے عزت و احترام۔

اور یہ بات سمجھنے کیلئے بھی کسی راکٹ سائنسدان (Rocket scientist) ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک آدمی کو اس وقت ہی مل سکتی ہیں جب ہم ویسا ہی نظام اپنے ملک میں قائم کریں جیسا کہ امریکہ وغیرہ میں ہے۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کئے بغیر اپنے عام آدمی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ اگر ہمیں ترقی کرنی ہے تو ہمیں اس Global economy میں مقابلہ کرنے کے قابل ہونا پڑے گا۔ ہمیں یہ

سیکھنا پڑے گا کہ انٹرنیشنل بزنس کے گُر کیا ہیں۔

ہدایات(Directions)

1 - سب سے پہلے ایک ایسا سسٹم قائم کریں جہاں قانون کا راج (Rule of Law) ہو اور لوگوں کو انفرادی حقوق(individual rights) حاصل ہوں - جہاں تمام لوگ ، سیاست دانوں سمیت ہمیشہ جواب دہ یا ذمہ دار (accountable) ہوں جہاں قانون سب پر یکساں لاگو (apply) ہو اور ہر مرد، عورت اور بچے کو تحفظ میسر ہو-

یہ بہت ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو انفرادی حقوق دیں اور ان کو گروپس میں نہ بانٹیں - یعنی مسلمانوں کو قانونی طور پر غیر مسلمانوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہونی چاہیئے-

2 - تمام قوانین سیکولر ہوں اس طرح ملک کسی ایک مذہب کو سپورٹ (Support) نہ کرے - لوگوں کو خیالات کے اظہار کی آزادی(freedom of speech) حاصل ہو اور وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو امریکہ کے شہریوں کو حاصل ہیں - (جب تک ہم یہ پہلے دو اقدام نہیں کریں گے ہم کہیں نہیں جا سکتے -)

3-معیشت (Economy) کو ترقی دینے کے لئے فوری طور پر :-

- انڈیا اور بنگلہ دیش سے تجارتی تعلقات کو فروغ دینے کے لئے کام کیا جائے اور انڈیا سے جنگ کے امکانات کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے -
- فوجی اخراجات انتہائی کم کر کے نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم یا کیریئر ٹریننگ (خاص طور پر کمپیوٹر کیریئر ٹریننگ) کے لئے پیسے یا قرضے دیئے جائیں اور لوگوں کو اپنا مکان ، بزنس یا فارم خریدنے کیلئے قرضے دیئے جائیں -
- گورنمنٹ ملازمین کی تنخواہیں فوری طور پر کم از کم 50 فیصد بڑھا دی جائیں اور ان کی تنخواہ کو مہنگائی یا افراط زر(inflation) سے منسلک کر دیا جائے - اس طرح اگر حکومت مہنگائی یا افراط زر کو کنٹرول نہیں کر سکتی تو وہ اسی حساب سے گورنمنٹ ملازمین کی تنخواہ بڑھانے کی ذمہ دار ہے -
- جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا جائے -
- عورتوں کو مکمل طور پر ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے اور ان کو ورک فورس میں لانے کے لئے ہر ممکن اقدامات کئے جائیں - عورتوں کی پیداواری صلاحیت (Productivity) استعمال کئے بغیر، ان کو تعلیم دیئے بغیر اور ان کو مردوں کے برابر

لائے بغیر ہم صدیوں تک پسماندگی کے حالات سے نہیں نکل سکتے -

4 - پورے ملک میں تعلیم پھیلانے اور برتھ کنٹرول کے لئے ہر ممکن اقدامات کئے جائیں-

5- پاکستان ، انڈیا اور بنگلہ دیش کی حکومتیں ایسے پروگرام پر فوری طور پر کام کریں جس کے ذریعہ یہ ممکن ہو سکے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں میں تقریباً 25 فیصد ہندوستانی اور 10 فیصد بنگلہ دیشی طالب علم تعلیم حاصل کریں - اسی طرح انڈیا اور بنگلہ دیش میں بھی پاکستانی طالب علموں کی ایک بڑی تعداد کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا چاہئے -

شاید میں نے یہاں کوئی ایسی بات نہیں کی جو اس سے پہلے ہزاروں لوگ نہ کہہ چکے ہوں یا آپ نہ سن چکے ہوں - ان ہدایات (directions) پر عمل کئے بغیر آپ ملک کو کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچا سکتے - آپ اگر ان ہدایات پر اپنے ملک پر عمل نہیں کرنا چاہتے تو نہ کریں - وہ لوگ جو ان ہدایات کو صحیح سمجھتے ہیں ، آج نہیں تو کل پاکستان سے نکل کر ان ممالک میں چلے جائیں گے جہاں ان ہدایات پر عرصے (امریکہ میں تقریباً 200 سال) سے عمل ہو رہا ہے - وہ وہاں خود بھی ترقی کر سکتے ہیں اور ان ممالک کو بھی ترقی دے سکتے ہیں -

آپ کا انتخاب ، آپ کی قسمت اور خدا بری الذمہ -

حصہ چہارم

آخری پیغام

آخری پیغام

سویا تو میں اپنے کمرے میں ہی تھا مگر ایسا لگا کہ میں سوتے میں چل رہا ہوں- کوئی عجیب وغریب مخلوق جو یقیناً کسی اور سیارے سے تعلق رکھتی تھی مجھے کہیں لے جارہی تھی- جلد ہی ہم ایسی جگہ پہنچ گئے جو ایک عدالت کی طرح لگ رہی تھی- مجھے میرا جرم سنادیا گیا- میں اپنی قوم کی حالت بدلنے کی انتہائی خواہش رکھتا ہوں- یہ مخلوق لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مدد دیتی ہے اگر وہ اس کیلئے مرنے کیلئے تیار ہوں-

وہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ یہ میری مرضی (Choice) ہے- اگر میں اپنی قوم کے لئے مرنے پر تیار ہوجاؤں تو میری قوم کے حالات بدل سکتے ہیں یا میں اپنی ہنستی کھیلتی دنیا میں واپس جاسکتا ہوں- اب میں سوچ رہا ہوں- مجھے اپنی دو سال کی بیٹی، چار سال کے بیٹے اور بیوی کا خیال آتا ہے- میں اپنی بیٹی سے کھیل رہا ہوں- وہ ابو سے اٹھکلیاں کررہی ہے- میرا بیٹا مجھ سے بول رہاہے، " تھینک یو، ڈیڈی- " میں نے ابھی اس کو اس کا پسندیدہ کھلونا Buzz Light Year دلایا ہے- میری بیوی کا میرے بغیر کیا ہوگا؟ میں رو رہا ہوں میں یہ سب چھوڑنا نہیں چاہتا- میں مرنا نہیں چاہتا- دوسری طرف اربوں لوگوں اور ان کی نسلوں کی بات ہے- پوری دنیا بدل دینے کی بات ہے- سینکڑوں لوگ جو قتل ہورہے ہیں- اربوں لوگ جو ناانصافی کا زہر پی رہے ہیں اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں- ان کی زندگیاں غلاموں کی زندگیوں سے بدتر ہیں-

کرپٹ سیاستدان اور بیوروکریٹس نے پورے ملک کو لوٹ لیا ہے- وہ بادشاہوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں اور کوئی اپنے اعمال کا جواب دہ نہیں- لوگ بالکل بے بس ہوچکے ہیں- کسی کو کوئی امید، کوئی حل نظر نہیں آتا- پوری قوم ایک دلدل میں دھنستی چلی جارہی ہے- خودکشی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اب اس قوم کا آخری وقت قریب آچکا ہے-

میرے پاس کیا چوائس ہے؟..... یہ میرا ملک ہے، میں اسے ایسی حالت میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ اچھا! میں نے اپنی زندگی اپنی قوم کیلئے قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے- بہت آنسوؤں کے بعد میں نے سوچ لیا ہے کہ ٹھیک ہے! میں مرنے کے لئے تیار ہوں-

اب وہ مخلوق کہہ رہی ہے کہ تمہیں مرنا تو ہے مگر قوم کی حالت بھی تم کو ہی صحیح کرنی ہے- یہ سب کچھ جادو سے صحیح نہیں ہوسکتا- تم اپنا ایک ایسا آخری پیغام اپنی اولاد

اور قوم کیلئے دے دو جوان کو ان کی حالت بدلنے کا طریقہ سکھا دے- اب یہ تمہارے اوپر ہے- ہم تو بس تمہارا یہ پیغام تمہاری اولاد اور قوم تک پہنچا دیں گے- پھر یہ ان پر ہے کہ وہ اس کا کیا کرتے ہیں- ہر چیز حاصل کرنے کیلئے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے-

ظفر اب وہ پیغام لکھنا ہے- صبح ہونے سے پہلے تک- یہ میری زندگی کی آخری رات ہے- کہاں سے شروع کروں؟

آخر کیا چیز میری قوم کی حالت بدل سکتی ہے؟ آخر کیا چیز ہے جو قوموں کو ظلم و تباہی کی طرف لے جاتی ہے؟ آخر کیا چیز ہے جو غربت اور جرائم کی ذمہ دار ہے؟ مجھے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ میں اپنے ملک (پاکستان) کے تمام مسائل کو صرف دو حصّوں (categories) میں تقسیم کر سکتا ہوں- مسائل جو کہ تعلیم (Education) نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اور مسائل جو ایمانداری نہ ہونے کی وجہ سے ہیں- تو میرا آخری پیغام یہ ہونا چاہئے کے لوگ تعلیم حاصل کریں اور اپنی صلاحیتیں (skills) بڑھائیں؟ یہ تو بہت لمبا گول ہے- اس کو تو بہت وقت لگے گا اثر دکھاتے دکھاتے- شاید یہ بہترین پیغام ہو لمبے عرصے (long term) کیلئے- مگر جہاں لوگوں کی جانیں خطرے میں ہوں، روز قتل ہو رہے ہوں، جن لوگوں کے پاس پیٹ بھر کر کھانے کیلئے نہ ہو آخر میں ان کو کس طرح تعلیم کے فوائد سمجھا سکتا ہوں- سب سے پہلے تو امن و امان کا مسئلہ ہے- لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی بات ہے- میں پھر بھٹک رہا ہوں- میرا دماغ چکرا رہا ہے- ان مسئلوں کا کوئی آسان حل نظر نہیں آ رہا- کبھی سوچتا ہوں کہ جاگیردارانہ نظام سارے مسئلوں کی جڑ ہے، پھر خیال آتا ہے کہ ایک احتساب کا عمل کرپٹڈ (corrupted) سیاستدانوں سے ملک کو نجات دلا سکتا ہے- پتہ نہیں کیسے اس جاگیردارانہ سسٹم کو ختم اور احتساب کے عمل کو قائم کیا جا سکتا ہے بغیر سیاسی جدو جہد کے- مجھے تو ایک سادہ (simple) طریقہ سوچنا ہے جو اگر لوگ اپنا لیں تو ان کے بنیادی مسائل ختم ہو جائیں-

اچھا میری اولاد اور میری قوم اپنی زندگی integrity کے ساتھ گزارنا- ہر چیز اپنی پوری ایمانداری (strict honesty) کے ساتھ کرنا، چاہے تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے یا نہیں- ہر کام کرنے کیلئے اس اصول کو یاد رکھنا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط- کسی کو اس بات کی اجازت مت دینا کہ وہ تمہارے فیصلے کو کنٹرول کرے یا اس پر اثر انداز ہو- یاد رکھنا کہ تم صرف اپنے آپ کو جواب دہ ہو کسی اور کو نہیں- ہاں ظفر میرا خیال ہے کہ یہ میرا آخری پیغام ہونا چاہئے- "Integrity"! میری اولاد اور میری قوم کو صرف ایک لفظ یاد رکھنے کی ضرورت ہے ہر وقت-

میں پھر سوچ رہا ہوں- ابھی صبح ہونے میں کچھ وقت باقی ہے- کیا کوئی پیغام اس سے بھی بہتر ہو سکتا ہے؟ کیا یہ پیغام میری اولاد کو ایک اچھی زندگی دے دے گا؟ میرا خیال ہے کہ میں اپنی اولاد کو اس سے بہتر پیغام نہیں دے سکتا ایک عظیم زندگی گزارنے کے لئے- مگر شائد ایک اچھے معاشرے کو قائم کرنے کیلئے مجھے اور سوچنا پڑے گا-

آخر معاشرے میں قتل و غارت، لوٹ مار، دھوکہ اور فریب، رشوت خوری کی جڑ کیا ہے؟ آخر کیوں اس ملک میں جہاں تقریباً 97% لوگ مسلمان ہیں اور تقریباً ہر گھر میں اذان کی آواز دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے، جہاں تقریباً ہر گھر میں قرآن روز پڑھا یا سنا جاتا ہے، یہ برائیاں تیزی سے پھل پھول رہی ہیں؟ یہ لوگ آخر کیا بات miss کر رہے ہیں یا کیا ایسا کام کر رہے ہیں جو ان کو شاید ان کی نالج (knowledge) کے بغیر برائیوں کے ایک دلدل میں دھنساتی چلی جا رہی ہے؟

ظفر اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ جس معاشرے میں انصاف نہ ہو وہاں کبھی امن و امان قائم نہیں ہو سکتا- وہاں ہر قسم کی برائیاں فروغ پائیں گی- ہر وہ شخص جو نا انصافی کرتا ہے اس کا کسی بھی مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے- وہ ایک دھوکے میں ہے- اگر مجھے پورے معاشرے کو سدھارنا ہے تو لوگوں کو انصاف کی تعلیم دینی پڑے گی-

میرے بچوں! تم کوئی ایسا کام نہیں کرنا جو کسی دوسرے کیلئے نقصان دہ یا unfair ہو- لوگوں کی چھوٹی چھوٹی نا انصافی پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں دفن کر دے گی- یہ چھوٹی سی برائی پھیل کر تمام برائیوں پر بھاری آ جاتی ہے- ہاں میرے بچوں اور میری قوم تمہاری زندگی کی حفاظت کیلئے اور تمہارے بہترین مستقبل کیلئے میں تم کو یہ آخری پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم کو سب کچھ چھوڑ کر صرف ایک چیز اپنانی پڑے تو انصاف کو اپنا لینا- جس شخص نے انصاف کو سمجھ لیا اس نے دنیا کے تمام مذاہب کو سمجھ لیا- اور جس نے انصاف کو نہیں سمجھا اس نے کسی مذہب کو نہیں سمجھا- تم انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا-

لگتا ہے کہ اب مجھے کچھ سکون سا آ گیا ہے- لگتا ہے کہ شاید اب موت بھی آسان ہو گئی ہے- میں نے ایک آسان سا حل پا لیا ہے تمام برائیوں کا-

مگر ظفر کیا میں ایک ایک آدمی کو انصاف کی تعلیم دوں گا؟ کیا میں ہر شخص کو ایماندار بنا سکتا ہوں؟ کیا ہر شخص اپنے فیصلے اور عمل کے نتائج (consequences) کو سمجھ سکتا ہے؟

بجائے اس کے کہ میں ہر شخص کو بدلنے کی کوشش کروں مجھے ایک ایسا سسٹم بنانا

ہے جہاں قانون کا راج (Rule of Law) ہو اور لوگوں کو انفرادی حقوق (individual rights) حاصل ہوں- جہاں تمام لوگ، سیاست دانوں سمیت ہمیشہ جواب دہ یا ذمہ دار (accountable) ہوں جہاں قانون سب پر یکساں لاگو (apply) ہو اور ہر مرد، عورت اور بچے کو تحفظ فراہم کرے- یہ بہت ضروری ہے کہ ہم لوگوں کو انفرادی حقوق دیں اور ان کو گروپس میں نا بانٹیں- اگر ہم لوگوں کو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں بانٹیں گے تو ان کو شیعہ، سنی اور مہاجر اور غیر مہاجر میں تقسیم ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا-

اچھا اے مخلوق میری زندگی کے بدلے صرف ایک کام کردو- اس ملک میں قانون کا راج (Rule of Law) اور انفرادی حقوق(individual rights) قائم کردو- بغیر اس کے ہم نہ لوگوں کے بنیادی مسائل حل کرسکتے ہیں اور نہ انہیں تعلیم دے سکتے ہیں-

میں پھر رو رہا ہوں مجھے میرے بچے یاد آرہے ہیں- میری چھوٹی سی بیٹی جو صرف دو سال کی ہے میرے منہ میں مونگ پھلی ڈالتی ہے اور پوچھتی ہے، "اور دوں ابو؟" میرے کان کھینچتی ہے اور جب میں جھوٹا روتا ہوں تو کہتی ہے "سولی (سوری) ابو-" اسے تو ابھی سے تھینکو (تھینک یو) بولنا بھی آگیا ہے- میرا چہرہ آنسوؤں سے بھر گیا ہے مجھے کچھ نظر نہیں آرہا-

میں نے کبھی اپنی زندگی کی پروا نہیں کی- اگر اب میں مرنا نہیں چاہتا تو صرف اور صرف اپنی بیٹی کیلئے اور چار سال کے بیٹے کیلئے-

مگر ظفر یہ کروڑوں بچوں کی زندگیوں کی بات ہے- کسی ایسے معاشرے میں اپنے بچوں کی پرورش کرنا جہاں قانون اور انصاف نہ ہو، اپنی بیٹی کو درندوں کیلئے پال پوس کر تیار کرنا ہے- جہاں وہ اس کی عزت لوٹ کر اسے قتل کردیں گے اور میں ان کا کچھ نہیں کرسکتا- ہاں میں ایسے حالات میں اپنی اور اپنی قوم کی بیٹیوں کی پرورش ہوتے دیکھنے کے بجائے آج مرجانا پسند کرتا ہوں- ان بیٹیوں کو ایک محفوظ معاشرہ دینے کیلئے میں ایک سکون اور مسکراہٹ کے ساتھ مرنے کو تیار ہوں-

"ابو میں آپ کے پاس سوجاؤں؟" رمیز کی آواز نے مجھے گہری نیند سے اٹھادیا- میرا تکیہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا- میں اپنے آپ کو اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان دیکھ کر خوش تھا- مگر دل اپنی قوم کے درد میں اب بھی ڈوبا ہوا ہے-

............X...........

وہ لوگ اور ادارے جو پاکستان کی بہتری کیلئے کام کر رہے ہیں

Khizer Foundation International (KFI)

Our mission statement: Making the world a better place by bringing justice, integrity, education, prosperity, and happiness to people's lives.

The following are the objectives of the organization:

1. Protect women against injustice and provide them with moral, legal, and financial support.
This includes educating women about their rights and providing them with support against physical and sexual harassment. They will also receive economic guidance, which will help them learn how to support themselves financially.

2. Protect children against abuse and provide them with moral, legal, and financial support.
This includes fighting for children's rights. This will give children the opportunity to live in a safe, healthy and nurturing environment.

3. Protect poor people against injustice and provide them with moral, legal, and financial support.
This involves educating poor people about their rights, giving them the opportunity to live a better life.

4. Promote and provide secular education to all individuals.
The goal is to provide men, women, and children with access to wisdom from around the world. This will help them gain a better understanding of the world and the ability to view it with an open mind and loving heart.

To achieve our objectives, KFI will do the following:
1.Establish offices in the USA and Pakistan, and employ individuals to manage the operations.
2.Raise funds in the USA and Pakistan to support our objectives. 3.Provide moral, financial, and educational support to existing non-profit organizations in Pakistan that share our objectives.

KFI was founded by Zafar Khizer and Arifa Khizer.

اس کتاب کی تمام آمدنی KFI کے ذریعہ پاکستان میں تعلیم پھیلانے کیلئے استعمال کی جائے گی- جو لوگ KFI کے اغراض و مقاصد سے دلچسپی رکھتے ہیں اور انہیں سپورٹ کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے donations مندرجہ ذیل ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں-

KFI
Durham Center, 3 Ethal Rd, Suite 301
Edison, NJ 08817, USA

KFI کے بارے میں مزید معلومات www.kfi.org سے حاصل کی جاسکتی ہے-
Email: info@kfi.org

میں چند لوگوں اور اداروں کی دل سے قدر کرتا ہوں - یہ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ اس میں ڈاکٹر مبارک علی ، عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی جیسے عظیم لوگ موجود ہیں - شاید لوگوں کو ان کی قدر و اہمیت کا ابھی صحیح اندازہ نہیں ہے- مگر مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تاریخ ان لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھے گی -
چند ادارے جن کی آپ کو بھرپور مدد کرنی چاہیئے وہ یہ ہیں :

1 - Human Rights Commission of Pakistan (HRCP)
Head Office/Punjab Chapter
Aiwan-i-Jamhoor, 107 Tipu Block
New Garden Town, Lahore 54600
Tel: 5838341 - 5864994 Fax: 5883582
email: hrcplhe@brain.net.pk
Sindh Chapter
1/1-C, Block 6, P.E.C.H.S. Karachi
Tel: 4532459

2- Anjuman Barae Taaleem (ABT)
GPO Box No. 2243, 3rd Floor
1 Turner Road, Lahore, Pakistan
Tel: 7311810 Fax: 7238174
Email: aklaw@lhr.comsats.net.pk,
akamalv@paknet4.ptc.pk

3- The Citizens Foundation
9th Floor, NIC Building
Abbasi Shaheed Road

Karachi 75530, Pakistan
Tel: 5671127 - 5653195, Fax: 5653173
Web: www.citizenfoundation.com
email: into@citizenfoundation.com

4 - Sahil
#3, street No. 32, Sector F-8/1,
Islamabad, Pakistan
Tel: 92-51-260636, 252534 Fax: 254678
Web: www.sahil.org
Email: info@sahil.org

5 - Ansar Bruney Welfare Trust
Hasan Manzil
Arambagh Road
Karachi, Pakistan
Tel: 2623382, 2623383, 2626155
Fax: 2623384
Email: humanrights@usa.net

6- Citizens-Police Liaison committee (CPLC)
Central Reporting Cell
Sindh Governor's Secretariat Karachi
Tel: 5682222, Fax: 5683336

میری پسندیدہ کتابوں میں سے کچھ کے نام یہ ہیں- ہر نوجوان لڑکے اور لڑکی کو ذہنی ترقی کیلئے ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے اور اس کتاب کی تیاری میں بھی ان سے مدد لی گئی ہے- یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

عظیم کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی۔ ترجمہ غلام رسول مہر
This is an Urdu translation of "Books That Changed the World" by Robert Downs

----

المیہ تاریخ۔ مصنف ڈاکٹر مبارک علی

کائنات۔ ترجمہ منصور سعید
This is an Urdu translation of "COSMOS" by Carl Sagan

برصغیر میں مسلمان معاشرہ کا المیہ۔ مصنف ڈاکٹر مبارک علی

نظام، معاشرہ، اور تعلیم ترجمہ قاضی جاوید

This is an Urdu translation of

"Education and the Social Order"

by

Bertrand Russell

چنگیز خان- ترجمہ عزیز احمد، فکشن ہاؤس

Seven Habits of Highly Effective People by Dr. Steven Covey

Goals by Zig Ziglar

The Wealth and Poverty of Nations by David S. Landes

ہندوستان ناشر " تخلیقات " لاہور

This is an Urdu translation of

" Story of Civilization " Vol 1

" Our Oriental Heritage "

by

Will Durant

سوعظیم آدمی- ناشر " تخلیقات " لاہور

This is an Urdu translation of

100 Most Influential People

by

Michael Hart

The G.I. Bill,

The Law that Changed America

by

Milton Greenberg

ریاست- مصنف افلاطون

ترجمہ: ڈاکٹر ذاکر حسین
